مواعظ اختر

نمبر ۳۸

فیضانِ صحبتِ اہل اللہ



شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ادارۂ تالیفاتِ اختریہ

hazratmeersahib.com



فیضانِ صحبتِ اہل اللہ

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ
حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ناشر
ادارۂ تالیفاتِ اختریہ
بی ۸۴، سندھ بلوچ ہاؤسنگ سوسائٹی، گلستانِ جوہر بلاک نمبر ۱۲ کراچی
www.hazratmeersahib.com



بہ فیضِ صحبتِ ابرار یہ دردِ محبت ہے
محبت تیرا صدقہ ہے ثمر تیرے نازوں کے

بہ امیدِ نصیحت دوستو اس کی اشاعت ہے
جو میں یہ نشر کرتا ہوں خزانے تیرے رازوں کے

انتساب

یہ انتساب

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرتِ مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اپنی حیاتِ مبارکہ میں اپنی جملہ تصانیف پر تحریر فرمایا کرتے تھے۔

احقر کی جملہ تصانیف و تالیفات

مرشدنا و مولانا محی السنۃ حضرت اقدس شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

اور

حضرتِ اقدس مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

اور

حضرتِ اقدس مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کی

صحبتوں کے فیوض و برکات کا مجموعہ ہیں

احقر محمد اختر عفا اللہ تعالیٰ عنہ

ضروری تفصیل

نامِ وعظ: فیضانِ صحبتِ اہل اللہ

نامِ واعظ: محبی ومحبوبی مرشدی ومولائی سراج المِلّت والدّین شیخ العرب والعجم عارف باللہ قطب زماں مجددِ دوراں حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تاریخِ وعظ: ۲۳ شوال المکرم ۱۴۱۱ھ بمطابق ۸ مئی ۱۹۹۱ء

مقام: بر مکان مقتداء حسن علوی صاحب، مکان کے برابر ٹینٹ لگایا گیا تھا

موضوع: فیضانِ صحبتِ اہل اللہ

مرتب: حضرت اقدس سید عشرت جمیل میر صاحب دامت برکاتہم
خادمِ خاص وخلیفہ مجازِ بیعت حضرت والا

اشاعتِ اوّل: ۱۲ محرم ۱۴۳۶ھ مطابق ۵ نومبر ۲۰۱۴ء

ناشر: ادارۂ تالیفاتِ اختریہ
بی ۸۴، سندھ بلوچ ہاؤسنگ سوسائٹی، گلستانِ جوہر بلاک نمبر ۱۲ کراچی

فہرست

عنوانات	صفحہ نمبر



فیضانِ صحبتِ اہل اللہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

فَقَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّكَ وَالْعَمَلَ الَّذِیْ یُبَلِّغُنِیْ حُبَّكَ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَّفْسِیْ وَاَھْلِیْ وَمِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِ))

(سنن الترمذی، کتابُ الدعوات، باب ما جآء فی عقدۃ التسبیح بالید، ج:۲، ص:۱۸۷)

زندگی کا مقصد

ترمذی شریف کی ایک روایت پیش کر رہا ہوں اور اسی کے ذیل میں کچھ باتیں عرض کرتا ہوں، اس حدیث کو سمجھنے کے لیے پہلے تھوڑی سی تمہید عرض کرنی ہے تاکہ پہلے ہم اپنا مقصدِ حیات یعنی زندگی کا مقصد سمجھ لیں تب ہماری زندگی صحیح رُخ پر استعمال ہوگی۔ ہم لوگ سمجھتے ہیں کہ زندگی کی قیمت دنیاوی اسباب سے ہوتی ہے لیکن سمجھ لیں کہ زندگی کی قیمت اچھے لباس سے، شاندار بنگلے سے، بہترین کاروں سے، بہترین غذاؤں سے، چند غلاموں کی سلامی اور احترام و اکرام سے نہیں ہوتی۔ ہمیں یہ چیز سمجھنی ہے کیونکہ ہم سب اللہ کے بندے ہیں، غلام ہیں، غلاموں کی قیمت غلام نہیں لگاتا، غلاموں کا مجموعہ غلام ہی ہوتا ہے، اگر ایک غلام کو کروڑوں غلام سلام کریں تو بھی اس غلام کی قیمت کیا ہے؟ اس غلام کی قیمت قیامت کے دن مالک کے فیصلے سے ہوگی۔

اعمال کی قیمت میدانِ محشر میں قبولیت اعمال سے ہے

علامہ سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آپ سب جانتے ہیں کہ بہت بڑے عالم تھے اور عربی میں بڑی مہارت تھی، شرقِ اوسط یعنی مڈل ایسٹ میں ان کی بڑی دھاک بیٹھی ہوئی تھی، ان کا ایک سادہ سا شعر پیش کرتا ہوں جس سے معلوم ہو جائے گا کہ ہماری زندگی کی قیمت کون لگائے گا اور زندگی کی قیمت کس طرح لگے گی؟ اور وہ شعر اتنا سادہ ہوگا کہ اس کی سادگی سے آپ حیران ہو جائیں گے۔ فرماتے ہیں کہ ؎

ہم ایسے رہے یاں کہ ویسے رہے
وہاں دیکھنا ہے کہ کیسے رہے

آہ! حد ہے اس سادگی کی! اے خدا! اس سادگی پر کون نہ مر جائے۔ اے خدا یہ اتنا سادہ شعر ہے یعنی میدانِ محشر میں اللہ تعالیٰ ہماری کیا قیمت لگائیں گے؟

ساؤتھ افریقہ میں مجھے ایک حافظ عبدالرحمٰن ملے تو جہاں جہاں میں گیا تو معلوم ہوا کہ انہیں کے شاگرد موجود ہیں، جس سے پوچھتا ہوں کہ آپ نے حفظ کہاں سے کیا تو معلوم ہوتا ہے کہ حافظ عبدالرحمٰن صاحب کے یہاں سے حفظ کیا۔ تو ایک دن میں حافظ عبدالرحمٰن صاحب کا مہمان تھا، ان سے میں نے پوچھا کہ ساؤتھ افریقہ میں جہاں بھی جاتا ہوں آپ ہی کے شاگرد ملتے ہیں، یہ کیا بات ہے؟ آپ نے اب تک کتنے شاگرد بنا دیئے؟ تو فرمایا کہ مرنے کے بعد بتاؤں گا کہ میرے کتنے شاگرد ہیں۔ کیا مطلب ہوا کہ جب مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ قبول کر لیں گے تو پتہ چلے گا اور اگر کچھ قبول نہیں کیا تو اس کا وجود بھی نہیں ہوگا۔ اللہ والوں کیا شان ہے! ان کا تعلق حکیم الامت مجدد الملت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے تھا اور ماشاء اللہ ابھی حیات ہیں۔

تکبر وعجب سے بچنے کا مراقبہ

حکیم الامت فرمایا کرتے تھے کہ مجھے ایک غم کھائے جاتا ہے اور وہ بڑائی یعنی تکبر کو قریب نہیں آنے دیتا، وہ کیا غم ہے؟ وہ غم ہے کہ نہ جانے اشرف علی کا قیامت کے دن کیا حال ہوگا؟ یہ ہیں سچے اللہ والے۔ یہاں تو ذرا سی کسی نے کوئی تعریف کردی ہم نے اپنی قیمت لگالی۔ میرے شیخ، مرشدِ اوّل شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناظم آباد نمبر چار میں رہتے تھے ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۲ء تک تین برس وہاں رہے، اس کے بعد اللہ نے ۱۹۶۳ء میں اپنے پاس بلالیا تو حضرت شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک لڑکی کو اس کے محلہ کی سہیلیوں نے شادی کے وقت خوب سجایا، زیورات پہنائے، کاجل لگایا اور بھی جو حسن کے انتظامات تھے سب مکمل کرکے کہا کہ بہن! آج تو تم بہت ہی خوبصورت معلوم ہوتی ہو لہٰذا ہم سب مبارک باد پیش کرتے ہیں تو وہ لڑکی اشکبار ہوئی اور رونے لگی اور اس نے کہا کہ میری بہنو! آپ کی تعریفوں سے ہمارا کچھ بھلا نہیں ہوگا، جب شوہر ہم کو دیکھ لے اور پسند کرلے پھر ہمارے حسن کی قیمت ہے۔

پیا جس کو چاہے سہاگن وہی ہے

اگر شوہر نے اپنی نگاہ سے ہم کو گرادیا تو تمہارے فیصلے بالکل بے کار جائیں گے۔ تو حضرت شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اللہ والوں کا یہی مقام ہے، ساری دنیا ان کی تعریف کرے مگر وہ کسی کے چکر میں نہیں آتے، کسی کے دھوکے میں نہیں آتے، وہ یہی سوچتے ہیں کہ جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہماری قیمت لگادے اور ہم سے راضی اور خوش ہوجائے تو بس پھر ہماری قیمت کا کیا پوچھنا اور اگر دنیا بھر تعریف کرے، اخبارات، ریڈیو، ٹیلیویژن جتنے بھی اسبابِ نشر و اشاعت ہیں، ہر طرف تعریف ہو مگر آخرت کا کچھ پتہ نہیں کہ وہاں کیا ہونا ہے۔

شیخ کی سختیاں اصلاح کے لیے ہوتی ہے

ایک مرتبہ حکیم الامت تھانوی، خواجہ صاحب سے ناراض ہو گئے اور ان سے فرمایا کہ خانقاہ سے نکل جاؤ۔ خواجہ صاحب ڈپٹی کلکٹر تھے، ہمارے مقتداء حسن علوی کبھی کبھی ان کے اشعار کی نقل بھی کرتے ہیں، یہ ان کی صحبت میں رہے ہیں۔ تو حضرت نے خواجہ صاحب کو اصلاحِ نفس کے لیے خانقاہ سے نکال دیا۔ اللہ والے جب ڈانٹتے ہیں تو اصلاحِ نفس کے لیے ڈانٹتے ہیں۔ حالانکہ خواجہ صاحب ڈپٹی کلکٹر تھے لیکن اس زمانے کا اپنا شاندار بستر خانقاہ کے باہر فٹ پاتھ پر لگا کر اشعار پڑھ رہے ہیں اور مست ہو رہے ہیں۔ کچے ہوتے تو بھاگ جاتے، کہتے کہ چلو بھائی! یہ شیخ بہت کڑوا معلوم ہوتا ہے لہٰذا یہاں سے بھاگ نکلو مگر خواجہ صاحب نے ایک شعر بنا کر حکیم الامت کی خدمت میں بھیجا ؎

اُدھر وہ در نہ کھولیں گے اِدھر میں در نہ چھوڑوں گا

حکومت اپنی اپنی ہے، کہیں اُن کی کہیں میری

یعنی خانقاہ سے نکالنے کی حکومت ان کی ہے اور یہاں سے نہ بھاگنے کی حکومت ہماری ہے، معشوقوں کی حکومت تسلیم مگر عاشقوں کی بھی حکومت ہوتی ہے۔ تو جب خواجہ صاحب نے یہ شعر لکھ کر حضرت کے پاس بھیجا تو حضرت خوش ہو گئے اور فوراً اپنے پاس بلا لیا۔ اس لیے اللہ والوں کے ساتھ ناز و نخرے سے کام نہیں بنتا، گڑگڑانے سے کام بنتا ہے۔ خواجہ صاحب ہی کا شعر ہے ؎

گڑگڑا کے جو مانگتا ہے جام

ساقی دیتا ہے اس کو مئے گلفام

ناز و نخرے کرے جو مے آشام

ساقی رکھتا ہے اس کو تشنہ کام

عالمِ آخرت کی کرنسی

آج اس زمانے میں پڑھے لکھے لوگ بھی ذکر اللہ اور تلاوت کم اور باتیں خوب کرتے ہیں، بعض لوگ اتنے ملفوظات یاد کیے ہوئے ہیں کہ جب دیکھئے کہہ رہے ہوتے ہیں کہ حکیم الامت نے یہ ارشاد فرمایا لیکن ذرا اپنے عمل کا جائزہ لیجیے کہ آپ اللہ کو کتنا یاد کرتے ہیں، تلاوت کتنی کرتے ہیں، آخرت کی کرنسی کا کتنا انتظام کرتے ہیں، فارن ایکسچینج کا انتظام کررہے ہیں یا نہیں؟ کیونکہ جب آنکھ بند ہوگی تو زمین کے نیچے قبرستان میں جانے کے بعد جب ملک بدل جائے گا تو کرنسی بدل جائے گی جیسے جدہ میں پاکستانی نوٹ کی حیثیت ختم ہوجاتی ہے پھر وہاں ریال چلتا ہے۔ تو دنیا میں بھی جب ملک بدلتا ہے، کرنسی بدلتی ہے، اسی طرح عالم دنیا جب بدلے گی تو عالم آخرت کی کرنسی چلے گی، اب وہاں نیکیاں اور ثواب کام آئیں گے۔

کامیابی تو کام سے ہوگی نہ کہ حسنِ کلام سے ہوگی

تو خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ اے میرے دوستو! زیادہ باتیں مت بناؤ، کام کرو، اگر ایک سبحان اللہ دل سے نکل جائے تو حضرت سلیمان علیہ السلام فرماتے ہیں کہ کسی اُمتی کا، غیر نبی کا ایک سبحان اللہ میری سلطنتِ سلیمانی سے افضل ہے، یہ بات حدیث میں موجود ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام فرماتے ہیں کہ تمہارا سبحان اللہ کہنے کا ثواب قیامت تک باقی رہے گا، اس کا نور جنت میں بھی ساتھ رہے گا لیکن میری سلطنت ختم ہوجائے گی۔ خواجہ صاحب نے کیا عمدہ فرمایا ؂

خدا کی یاد میں بیٹھے جو سب سے بے غرض ہوکر
تو اپنا بوریا بھی پھر ہمیں تختِ سلیماں تھا

تو خواجہ صاحب نے نصیحت فرمائی کہ میرے دوستو! سالکین حضرات! باتیں

بنانے سے خدا نہیں ملے گا، ملفوظات سنانے سے بھی خدا نہیں ملتا۔

کامیابی تو کام سے ہوگی
نہ کہ حسنِ کلام سے ہوگی
ذکر کے اہتمام سے ہوگی
فکر کے التزام سے ہوگی

یہ محض شاعری نہیں ہے، یہ درد بھرے دل کی آواز ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت میں خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ آنسو بہے تو فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کی یاد میں ان کے خوف سے یا اللہ تعالیٰ کی محبت میں کچھ آنسو بہتے ہیں تو آسمان کے ستارے ان آنسوؤں پر رشک کرتے ہیں لیکن اپنی شاعری میں انہوں نے اس بات کو اس طرح پیش کیا۔

ستاروں کو یہ حسرت ہے کہ وہ ہوتے مرے آنسو
تمنا کہکشاں کو ہے کہ میری آستیں ہوتی

یعنی جب اللہ والے روتے روتے آستین سے اپنے آنسو پونچھ لیتے ہیں تو اس آستین پر کہکشاں رشک کرتی ہے۔

اللہ والوں پر اعتراضات کرنا نادانی ہے

اور بعض معترضین جو اللہ والوں کا مذاق اُڑاتے ہیں کہ چھوڑو میاں! یہ سب مکاری کی باتیں ہیں، اس پر فرماتے ہیں۔

پتہ چلتا کہ غم میں زندگی کیوں کر گذرتی ہے
ترے قالب میں کچھ دن کو مری جانِ حزیں ہوتی

اور اللہ تعالیٰ کے دیدار پر فرماتے ہیں۔

نہیں کرتے ہیں وعدہ دید کا وہ حشر سے پہلے
دلِ بے تاب کی ضد ہے ابھی ہوتی یہیں ہوتی

واہ کیا شاعری ہے! ارے اللہ والوں کے کیا اشعار ہیں، مست کرنے والے شعر ہیں اور فرماتے ہیں ؎

دکھاتے ہم تمہیں اپنے تڑپنے کا مزہ لیکن

آہ! اللہ والوں کے دل میں کیا درد ہوتا ہے، کیا آگ بھری ہوتی ہے، ہم لوگوں کو تو کھانے پینے ہی سے فرصت نہیں، ہم لوگوں نے تو اپنے جسم کو ایکسپورٹ اور امپورٹ کا آفس بنا رکھا ہے، رات کو امپورٹ کیا، صبح لیٹرین میں ایکسپورٹ کیا تو پیٹ کیا ہے امپورٹ ایکسپورٹ یعنی درآمد برآمد کا دفتر ہے اور میرے شیخ مولانا شاہ ابرار الحق صاحب مذاقاً فرماتے ہیں کہ دف تو پیٹ کو کہتے ہیں اور جب تنخواہ ملتی ہے تو اسے تر کرتے ہیں تو حضرت نے فرمایا کہ جب کوئی کہتا ہے کہ ہم دفتر جا رہے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ ہاں جاؤ دف تر کرو۔ تو خواجہ صاحب نے فرمایا کہ ؎

دِکھاتے ہم تمہیں اپنے تڑپنے کا مزہ لیکن
جو عالَم بے فلک ہوتا جو دنیا بے زمیں ہوتی

اللہ والے جب اللہ کی یاد میں تڑپتے ہیں تو جب تڑپ کر اوپر جاتے ہیں تو آسمان روکتا ہے، تڑپ کر نیچے آتے ہیں تو زمین روکتی ہے۔ تو سمجھ لو کہ ان کا کیا حال ہوتا ہے۔

دل میں اللہ تعالیٰ کا نورِ خاص آنے کی علامت

خواجہ صاحب نے اعظم گڑھ میں ایک شعر پڑھا۔ سہیل اعظمی صاحب جو بہت بڑے آل انڈیا شاعر تھے ان کے سامنے خواجہ صاحب نے یہ شعر پڑھا ؎

یہ کون آیا کہ دھیمی پڑ گئی لَو شمع محفل کی
پتنگوں کے عوض اُڑنے لگیں چنگاریاں دل کی

پھر پوچھا کہ سہیل صاحب کچھ سمجھے؟ سہیل صاحب اعظم گڑھ کے بڑے مشہور شاعر تھے لیکن انہوں نے کہا کہ حضرت! ہم ان اشعار کو نہیں سمجھ سکتے، ہم تو وہ اشعار سمجھتے ہیں جو دماغ سے نکلتے ہیں، یہ اشعار آپ کے دل کے نکلے ہوئے ہیں، اپنا جیسا دل ہمارے سینے میں رکھ دیجیے تب پتا چلے گا کہ دل میں کیا آیا ہے۔

آہ! جب دل میں اللہ آتا ہے، جب اللہ کا نورِ خاص دل میں آتا ہے تب پتا چلتا ہے کہ سارا عالَم اس کی نگاہوں سے گر جاتا ہے جیسے جب سورج نکلتا ہے تو سارے ستارے روپوش ہو جاتے ہیں، دنیا کی ساری عظمتیں، آفتاب و چاند کی روشنیاں، سلاطین کے تاج و تخت کی عظمتیں سب ختم ہو جاتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی سلطنت کے تخت و تاج کی بھیک دیتا ہے اور جب چاہتا ہے ان کے تخت و تاج کو اُتار کر قبروں میں گاڑ دیتا ہے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

اے دل ایں شکر خوشتر یا آں کہ شکر سازد

اے دل یہ چینی زیادہ میٹھی ہے یا چینی کا بنانے والا زیادہ میٹھا ہے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا مزہ چکھا دیا، اپنی عبادت کا مزہ چکھا دیا وہ مُلّا احمد کی مٹھائی اور شربتِ روح افزا سے مستغنی ہو گئے لیکن یہ مطلب نہیں کہ اگر اللہ والوں کو روح افزا پلائیں گے تو وہ پئیں گے نہیں، مطلب یہ ہے کہ ان کا دل ہر وقت اس چکر میں مشغول نہیں رہتا، حلال نعمت ملے تو استعمال کر لیتے ہیں لیکن اللہ کی محبت کی مٹھاس کے مقابلے میں ساری دنیا کی مٹھاس کو خاطر میں نہیں لاتے۔

اللہ والا ہونے کی علامت

حافظ شیرازی بہت بڑے ولی اللہ ہیں، دیوانِ حافظ میں انہیں کے اشعار ہیں فرمایا کہ جس وقت خدائے تعالیٰ مجھے اپنی محبت کا مزہ چکھاتا ہے تو ؎

چو حافظ گشت بے خود کے شمارد

بیک جو مملکتِ کاؤس و کے را

جب حافظ کو اللہ تعالیٰ بے خود کرتا ہے، اپنی محبت کا مزہ چکھاتا ہے، اپنے نام لینے کی مٹھاس دیتا ہے، عبادت کا لطف نصیب کرتا ہے تو حافظ شیرازی اس وقت ایران کی دو سلطنتیں کاؤس اور کے کو ایک جَو کے بدلے میں خریدنے کے لیے تیار نہیں ہوتا، انہیں کسی شمار میں نہیں لاتا، کسی خاطر میں نہیں لاتا۔ یہ ہیں اللہ والے! ان کو اللہ والے کہتے ہیں۔

جب دل میں اللہ آتا ہے تو اس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ سارا جہان اس کی نگاہوں سے گر جاتا ہے، سورج کے ساتھ بیٹھنے والا ستاروں سے ہیبت نہیں کھا سکتا، شیر کا دوست لومڑیوں سے خوفزدہ نہیں ہوسکتا، اللہ تعالیٰ کا ہم نشین اس فانی عالَم سے کیسے بِک سکتا ہے؟ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ شمس الدین تبریزی کے ہاتھ پر اس لیے بیعت کی کہ

من غلامِ آں کہ نہ فروشد وجود

آپ لوگ جانتے ہیں کہ یہ مولانا جلال الدین رومی کون ہیں؟ یہ شاہ خوارزم کے سگے نواسے تھے، یہ قربانی کی کھال والے مُلّا نہیں تھے جو قربانی کی کھال کے لیے دروازے دروازے پھرتے ہیں، ہمارے اکابر نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے، قربانی کی کھالوں کے لیے غیر عالم جاسکتا ہے، علماء کو چاہیے کہ اس کام کے لیے غیر عالم رکھیں، جب عالم یا حافظِ قرآن دروازے پر جاکر قربانی کی کھال مانگتا ہے تو آپ جانتے ہیں کہ اس کا کتنا بُرا اثر پڑتا ہے کیونکہ پھر رئیس آدمی کبھی نہیں چاہے گا کہ میں اپنے بچوں کو حافظ یا عالم بناؤں، ہمارے اکابر نے یہی فرمایا ہے کہ اس کام کے لیے کسی اور کو بھیجو، کسی غیر عالم کو بھیجو، علماء کی عزت وعظمت کو نقصان مت پہنچاؤ، مدرسہ چلے نہ چلے ہمیں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے، ایک شاگرد بھی

سارے عالَم میں غلغلہ مچا سکتا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ جس کے قلب میں اپنا جھنڈا لہرا دیتے ہیں اور وہ بندہ تعلق مع اللہ کی دولت سے آشنا ہوتا ہے پھر ساری دنیا کے حسین اُسے اپنی طرف نہیں کھینچ سکتے، سارے عالَم کے بادشاہوں کے تخت و تاج سے وہ بِک نہیں سکتا۔ تو جلال الدین رومی جو سلطان خوارزم کا سگا نواسہ تھا لیکن اپنے شیخ شمس الدین تبریزی کا بستر سر پر رکھ کر جنگل جنگل پھرتے تھے اور اللہ کی محبت سیکھتے تھے اور فرماتے ہیں کہ میں نے شمس الدین تبریزی کے ہاتھ پر اس لیے بیعت کی۔

من غلامِ آں کہ نہ فروشد وجود

جز بہ آں سلطانِ با افضال وجود

میں اس شمس الدین تبریزی کا غلام ہوں جس نے اپنی زندگی کو کسی بھی دنیاوی غرض کے لیے کبھی فروخت نہیں کیا، اس نے اپنی حیات کو کبھی نہیں بیچا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی رضا اور ان کو خوش کرنے کے لیے یعنی میرا شیخ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ پر بکتا ہے۔ اس پر مجھے اپنا ایک شعر یاد آیا۔

جان دے دی میں نے ان کے نام پر

عشق نے سوچا نہ کچھ انجام پر

اللہ والوں کا مقام

کانپور اور لکھنؤ کے درمیان ایک قصبہ ہے اس کا نام گنج مراد آباد ہے حضرت شاہ فضلِ رحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ گنج مراد آباد کے رہنے والے تھے، یہ بہت بڑے ولی اللہ گذرے ہیں۔ جب حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کانپور میں صدر مدرس تھے تو حضرت شاہ فضلِ رحمٰن صاحب گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، انھوں نے حضرت تھانوی سے فرمایا کہ میاں

مولوی اشرف علی! آپ تو میرے بڑے خاص ہیں اس لیے آپ سے اللہ تعالیٰ کی دو نعمتیں بیان کرتا ہوں۔ نمبر ایک جب میں سجدہ کرتا ہوں اور سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہتا ہوں تو مجھ کو اتنا مزہ آتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ہمارا پیار لے لیا ہو۔ ایک ہمارے سجدے ہیں کہ مرغی کی چونچ کی طرح ٹھک ٹھک کررہے ہیں، جیسے مرغی دانہ چگتے وقت کرتی ہے، ہم چاہتے ہیں کہ بس جلدی سے واپس چلو جیسے کوئی پریشان حال مسجد میں آ پھنسا ہو، آہ! اللہ والوں کے سجدوں کو دیکھو۔ مولانا جلال الدین رومی کی قبر کو اللہ نور سے بھر دے، فرماتے ہیں کہ دنیا والو! اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کا ایک سجدہ صحیح طرح سے نصیب ہوجائے تو تم دو سو سلطنتوں سے دست بردار ہوجاؤ۔

لیک ذوقِ سجدۂ پیشِ خدا
خوشتر آید از دو صد مُلکت ترا

اگر تمہیں اللہ کے حضور میں ایک سجدہ کا صحیح ذائقہ آجائے تو وہ تمہیں دو سو سلطنتوں سے زیادہ مزیدار معلوم ہوگا۔

پس بنالی کہ نخواہم ملکہا
ملکِ آں سجدہ مسلَّم کن مرا

پھر تم رونا شروع کروگے کہ اے خدا! ہمیں سلطنت نہیں چاہیے، ہمیں اپنے سجدے کی لذت کی سلطنت مسلَّم عطا فرمادے۔

بادشاہان جہاں از بدرگی
بو نہ بردند از شرابِ بندگی

دنیا کے بادشاہوں کی رگوں میں دنیا کی محبت کی گندگی کی گٹر لائن چل رہی ہے، اس لیے ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی محبت کی خوشبو بھی نہیں پائی۔ تو مولانا شاہ فضلِ رحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دوسری نعمت یہ ہے کہ جب میں قرآنِ پاک کی تلاوت کرتا ہوں تو اتنا مزہ آتا ہے کہ اگر آپ لوگوں کو یہ مزہ مل

جائے تو جنگلوں میں کپڑے پھاڑ کر بھاگ جاؤ اور فرمایا کہ جب میں ان شاء اللہ تعالیٰ جنت میں جاؤں گا اور حوریں میرے پاس آ کر بیٹھیں گی تو میں حوروں سے کہوں گا کہ بیبیو! میں تلاوت کر رہا ہوں اگر سننا ہو تو بیٹھو ورنہ اپنا راستہ لو۔ واہ بھئی واہ! یہاں یار لوگ حوروں سے متعلق کیسی کیسی تمنائیں لیے بیٹھے ہیں۔ ان عاشقانِ صورت کے لیے میں نے ایک شعر کہا ہے ؎

دنیا سے مر کے جب تم جنت کی طرف جانا

اے عاشقانِ صورت حوروں سے لپٹ جانا

لیکن اللہ والوں کا عجیب مقام ہے۔ سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ کے کلام کی لذت کو حوروں پر فوقیت دے رہے ہیں۔

دنیادار مُلّا مت بنو

ایک دفعہ نواب رامپور نے حضرت شاہ فضلِ رحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک سرکاری مولوی کو بھیجا۔ آپ سرکاری مولوی کو جانتے ہیں نا! جو گورنمنٹ سے تنخواہ پاتا ہے، اس کے ضمیر کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا، جہاں تنخواہ آئی اور حکومت سے اس کا تعلق ہوا پھر للّٰہیت بہت کم بہت کم بہت کم رہ جاتی ہے بس یوں سمجھئے کہ وہ نفس کا غلام بن جاتا ہے تو وہ ریاستی مُلّا گنج مرادآباد پہنچا۔ اس وقت شاہ فضلِ رحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ زبردست جوش وخروش کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی محبت کا مضمون بیان فرما رہے تھے ؎

کیوں بادِ صبا آج بہت مُشکبار ہے

شاید ہوا کے رُخ پہ کھلی زُلفِ یار ہے

ہمارے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب شاہ فضلِ رحمٰن صاحب کو عبادت میں، تہجد میں خوب مزہ آتا تھا اور خاص قرب کی ہوائیں آتی تھیں تو یہ شعر پڑھتے تھے ؎

کیوں بادِ صبا آج بہت مُشکبار ہے
شاید ہوا کے رُخ پہ کھلی زُلفِ یار ہے

اورآدھی رات کو یہ شعر پڑھتے تھے۔

شاعری مدِّنظر ہم کو نہیں
وارداتِ دل لکھا کرتے ہیں ہم
اُن کے آنے کا لگا رہتا ہے دھیان
بیٹھے بٹھلائے اُٹھا کرتے ہیں ہم
ایک بلبل ہے ہماری راز داں
ہر کسی سے کب کُھلا کرتے ہیں ہم

فیض اسی شیخ سے ہوتا ہے جس سے مناسبت ہوتی ہے

ارے! دل ہر ایک سے تھوڑی کھلتا ہے۔ میرا اپنا ایک شعر سن لیجیے۔

آنکھ سے آنکھ ملی دل سے مگر دل نہ ملا
عمر بھر ناؤ پہ بیٹھے مگر ساحل نہ ملا

یعنی آدمی کو اسی شیخ سے فیض ہوتا ہے جس سے دل مل جائے، اگر خون کا روحانی گروپ نہیں ملتا تو نفع نہیں ہوگا، جیسے اگر بین الاقوامی شہرت یافتہ باکسر محمد علی کلے سے آپ کے خون کا گروپ نہیں ملتا تو آپ کبھی اس کا خون نہیں چڑھوائیں گے، ڈاکٹر سے درخواست کریں گے کہ جس سے میرے خون کا گروپ ملتا ہو مجھے اس کا خون چڑھائیے۔ ایسے ہی اُسی اللہ والے سے فیض ہوتا ہے جس کے دل سے آپ کا دل مل جائے ورنہ وہی حال ہوگا۔

آنکھ سے آنکھ ملی دل سے مگر دل نہ ملا
عمر بھر ناؤ پہ بیٹھے مگر ساحل نہ ملا

تو شاہ صاحب فرماتے ہیں ؎

ایک بلبل ہے ہماری رازداں
ہر کسی سے کب کُھلا کرتے ہیں ہم

اب آپ سوچیے کہ اگر کوئی درد بھرا دل رکھتا ہے، اپنے سینے میں زبردست کلام رکھتا ہے مگر ایسی بستی میں جا پہنچے جہاں اس کی بات کوئی نہیں سمجھے تو اس بے چارے کا کیا حال ہوگا، وہ تو گونگا بنا بیٹھا رہے گا جیسے کوئی اندھوں کے محلہ میں آئینہ فروشی کررہا ہو تو اس کا ایک بھی شیشہ نہیں بکے گا، اگر اندھوں کے محلہ میں کوئی شیشہ بیچنے کی دکان لگالے تو بولو بھائی! اس کا شیشہ بکے گا؟ تو خدا نہ کرے کہ ایسے بے ذوق لوگوں سے پالا پڑے۔

تو جب وہ سرکاری مُلّا شاہ صاحب کی خدمت میں پہنچا تو وہاں اللہ تعالیٰ کی محبت کا عالیشان مضمون بیان ہورہا تھا مگر ان ظالموں میں ادب بھی نہیں ہوتا، وہ درمیان میں بول اُٹھا کہ حضرت! مجھ کو نواب صاحب نے بھیجا ہے اور کہا ہے کہ اگر حضرت، رامپور تشریف لاویں تو نواب صاحب آپ کی خدمت میں ایک لاکھ روپے نذرانہ پیش کریں گے۔ اب بتایئے، اللہ والوں پر نوابوں کا کیا رعب ہوسکتا ہے! حضرت شاہ فضل رحمٰن صاحب گنج مرادآبادی نے فرمایا کہ لاکھ روپے پر ڈالو خاک، میری بات سنو اور یہ شعر پڑھا ؎

جو دل پر ہم ان کا کرم دیکھتے ہیں
تو دل کو بہ از جامِ جم دیکھتے ہیں

ایک سچے اللہ والے کی شان

حکیم الامت فرماتے ہیں کہ لکھنؤ میں ایک بادشاہ اور اس کا ایک وزیر ایک اللہ والے کے پاس آئے، وہ اُس وقت لیٹے ہوئے تھے تو انہوں نے لیٹے

لیٹے ہی مصافحہ کرلیا، اُٹھ کر بیٹھے بھی نہیں کیونکہ ان کو کشف ہوا کہ یہ بادشاہ متکبر ہے اور اس کا وزیر اس سے زیادہ متکبر ہے تو اس وزیر سے نہ رہا گیا، تکبر ظاہر ہی ہو گیا۔ اس نے کہا کہ حضور! یہ آپ نے پیر پھیلا کر لیٹنا کب سے سیکھا ہے؟ اس کا منشا یہ تھا کہ بادشاہ کے سامنے ادب سے بیٹھنا چاہیے تھا، تو اس نے کہا کہ حضور! یہ آپ نے پیر پھیلا کر لیٹنا کب سے سیکھا ہے؟ فرمایا کہ جب سے ہاتھ کو سمیٹنا سیکھا ہے یعنی جب ہاتھ نہیں پھیلاتا تو پیر پھیلانا آ گیا، جب ہاتھ بادشاہوں کے سامنے نہیں پھیلاتا تو پیر پھیلانا سیکھ لیا ہے۔

علماءِ کرام کے لیے ایک خاص ہدایت

ساؤتھ افریقہ میں مجھ سے ایک کروڑ پتی آدمی بیعت ہوا تو اس نے میرے پیر بھی دبائے تو بعض علماء نے مجھ سے کہا کہ یہ کسی مولوی کے پیر نہیں دباتے، آپ کے پیر کیسے دبائے؟ میں نے کہا کہ چونکہ میں نے اس کی جیب نہیں دبائی اس لیے اس نے میرا پیر دبایا۔ اس کا ایک بہت بڑا جنرل اسٹور ہے لیکن یہاں کے جنرل اسٹور کی طرح نہیں ہے، وہاں کا جنرل اسٹور تو پورا محلہ ہوتا ہے، سب کام مشین سے ہوتا ہے، عجیب وغریب دنیا ہے، تو اس رئیس نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر آپ کو کوئی چیز پسند ہو تو آپ میری طرف سے نذرانہ اور ہدیہ قبول فرمالیں تو میں نے ان سے کہا کہ مجھے تو آپ پسند ہیں، اگر آپ اپنا دل مجھے پیش کردیں تو میں اس میں اللہ تعالیٰ کی محبت کی کچھ تخم پاشی کروں تاکہ آپ اللہ والے ہوجائیں، جب آپ اللہ والے ہوجائیں گے تو سمجھیں کہ مجھے سب کچھ مل گیا تو اس بات سے وہ بہت خوش ہوا۔ تو ایک عالم نے مجھ سے پوچھا کہ اس نے آج تک کسی مولوی کے پیر نہیں دبائے، اس پر میں نے کہا کہ اگر میں اس کا کچھ سامان لے لیتا، واشنگ مشین، قیمتی گھڑیاں تو پھر یہ میرا پیر ویر نہیں

دباتا، سمجھ لیجیے کہ دو کام ہیں یا تو پیر دبوالو یا جیب دبالو، جیب دبانے والے مولوی کا پیر نہیں دبایا جاتا۔ اسی لیے ہمارے اکابر نے ہمیشہ اس سے احتیاط کی ہے یعنی مالداروں کے مال پر نظر مت کرو، ہم ان کے دل پر محنت کریں، ہم ان کو کچھ دینے کی کوشش کریں، بجائے اس کے ہم ان سے کچھ لیں، ہم چٹنی روٹی کھالیں گے لیکن ہمارا فرض ہے کہ ہم اہل دنیا کی دنیا پر نگاہ بھی نہ ڈالیں، ہم انہیں اللہ تعالیٰ کی محبت سکھائیں، وہ محبت جس کی قیمت سورج اور چاند ادا نہیں کر سکتے، اللہ تعالیٰ کی محبت کی قیمت نبیوں کے خون نے بھی ادا نہیں کی، طائف کے بازار میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین مبارک خون میں بھر گئی تھیں اور اُحد کے دامن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا خون پونچھتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ ہائے! اس قوم کا کیا حال ہوگا جو اپنے نبی کو لہولہان کرتی ہے لیکن پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اے خدا! آپ کی عبادت کا حق ہم سے ادا نہیں ہوسکتا۔ تو جس اللہ کی قیمت پیغمبروں کے سروں سے اور ان کے خون سے ادا نہ ہو، ستر ستر صحابہ اُحد کے دامن میں شہید ہوگئے، ان سے یہ قیمت ادا نہیں ہوئی تو ہم اور آپ اس کی قیمت کیا ادا کر سکتے ہیں؟

والدین پر اولاد کا سب سے اہم حق

ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ بھائی! ہمارے دل کی قیمت وہی ہے جو سامنے ہم دیکھتے ہیں یعنی شاندار مکان ہونا چاہیے، نماز پڑھیں نہ پڑھیں، اولاد نماز پڑھے نہ پڑھے بابا کو کوئی غم نہیں، ہاں! ایم ایس سی کی ڈگری امریکہ سے کوئی لے آئے پھر بابا تقریب کرتے ہیں کہ دیکھو ہمارا بیٹا امریکہ سے ایم ایس سی کر کے آیا ہے، ڈاکٹریٹ کر کے آیا ہے، پی ایچ ڈی ہوگیا ہے اور نماز ایک وقت کی بھی نہیں پڑھتا، اس کا بابا کو کوئی غم نہیں۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جن ماں باپ نے اپنے بچوں کونماز و دین نہیں سکھایا قیامت کے دن وہ ان کا گریبان پکڑیں گے کہ آپ نے مجھے امریکہ تک پڑھایا، کھانے کے وقت گول گول اچھی بوٹی مجھے دیتے تھے، آپ کا کپڑا اپھٹا ہوا ہوتا تھا اور مجھے اچھے کپڑے پہناتے تھے لیکن کبھی آپ نے مجھے اللہ کی محبت نہیں سکھائی۔ میرے یہاں ناظم آباد نمبر چار میں علامہ شبلی نعمانی کے سگے بھتیجے نعمانی صاحب رہتے تھے۔ ایک دن ایک صاحب آئے، اُن کے چار لڑکے تھے اور چاروں ڈپٹی سیکریٹری، کئی کئی ہزار تنخواہیں تھیں، سب کے بنگلے اور کار تھی تو وہ صاحب آئے اور نعمانی صاحب سے کہنے لگے کہ مجھے کچھ زکوٰۃ دلوادیں، نعمانی صاحب علامہ شبلی نعمانی کے بھتیجے میرے کرایہ دار تھے وہ کہنے لگے کہ بھائی! تمہارے بیٹے تو دس دس ہزار تنخواہ پا رہے ہیں اور تم زکوٰۃ مانگ رہے ہو۔ کہنے لگا کہ جی کیا کریں، میرے بیٹے کہتے ہیں کہ تم چوکیدار کی طرح گیٹ پر رہو، جب میں رات کو بارہ بجے اپنی بیگم صاحبہ کے ساتھ سینما دیکھ کر آؤں تب آپ گیٹ کھولنا، اگر اس طرح سے رہنا ہے تو رہیے نہیں تو اپنا راستہ لیجیے تو میری غیرت کا تقاضا یہ نہیں ہوا کہ میں ایسی جگہ رہوں، اس سے بہتر ہے کہ میں زکوٰۃ کھالوں لہٰذا مجھے زکوٰۃ دلوائیے۔ اور پھر کہا کہ آپ چل کے میرے بیٹوں کو ابّا کا حق سکھا دیجیے کہ ابّا کے کیا حقوق ہوتے ہیں۔ تو نعمانی صاحب نے کہا کہ آپ نے اپنے بیٹوں کو کبھی ربّا کے حقوق سکھائے؟ چونکہ آپ نے اپنے بچوں کو ربّا کے حقوق نہیں سکھائے، اس لیے ربّا نے ابّا کے حقوق کو دلوں سے ضائع کردیا، یہ سب اسی کی سزا ہے۔

بڑھاپے میں اولاد کب کارآمد ہوتی ہے؟

اس لیے کہتا ہوں کہ اپنی اولاد کو دین کی تعلیم بھی دلوائیے۔ دیکھیے!

ہردوئی میں جس مدرسہ میں مقتداء حسن علوی صاحب نے پڑھا اور حفظ کیا ہے اسی مدرسہ کے میرے شیخِ ثانی مولانا شاہ ابرارالحق صاحب عالم ہوئے۔ حافظ ہوئے میرے شیخ کے والد صاحب حکیم الامت کے مجازِ صحبت تھے، ان کے پانچ بیٹے تھے، سب وکیل اور انگریزی داں تھے سوائے میرے شیخ کے، تو جب میرے شیخ کے والد آتے تھے تو حضرت دوڑ کر ان کا جوتا اُتارتے تھے اور جب وہ فرماتے تھے کہ بھئی! پانی لانا تو حضرت خود پانی لاکر پلاتے تھے جبکہ دوسرے انگریزی داں بیٹے کہتے تھے کہ نوکر! ابّا کو پانی لادو لیکن مولانا ابرارالحق صاحب جیسے لائق اور عالم بیٹے خود پانی لاکر پلاتے تھے۔ تب انہوں نے عید کے میدان میں تقریر میں فرمایا کہ دیکھو میرے پانچ بیٹے ہیں، صرف ایک بیٹا مولوی حافظ ہے، باقی چاروں بہت بڑے انگریزی داں ہیں لیکن جب میں پانی مانگتا ہوں تو چاروں بیٹے نوکر کو پکارتے ہیں کہ نوکر! ملازم! ابّا کو پانی لادو اور میرا بیٹا ابرارالحق جو مولوی اور حافظ ہے وہ مجھے خود پانی لاکر پلاتا ہے۔

تو اسی لیے کہتا ہوں کہ اگر اولاد نیک ہوگی تبھی آپ کے بڑھاپے میں کارآمد ہوگی، اس لیے اپنی اولاد کو بزرگوں کے پاس لے جاؤ، چاہے وہ پتلون پہنے ہوں، چاہے وہ ڈاڑھی بھی نہ رکھتے ہوں، ان کو اسی حالت میں اللہ والوں کے پاس لے جاؤ جو سچے اللہ والے ہیں تو ان کے پاس جانے سے ان شاء اللہ تعالیٰ، اللہ پاک کی محبت بھی ان کو ملے گی اور ساتھ ساتھ آپ لوگوں کی محبت یعنی ماں باپ کی محبت بھی ان کو ملے گی اور وہ بڑھاپے میں آپ کے لیے کارآمد ہوں گے ورنہ خود سوچ لو کہ کیا حال ہوگا۔

انگریزی تعلیم کا وبال

کراچی کے ہسپتال میں ایک ستر سالہ بڈھے کے آکسیجن چڑھی ہوئی

تھی، اس کا ایک ہی لڑکا تھا جو امریکہ میں تھا تو اس کو ٹیلی گرام کیا گیا کہ جلدی آؤ، جب وہ آیا تو بڈھے کی روح نکل چکی تھی، اس نے ایک ہفتے سے ڈاڑھی نہیں منڈائی تھی کیونکہ آکسیجن چڑھی ہوئی تھی، گالوں میں، ناک میں ٹیوب لگی ہوئی تھی تو حجام کو گال تک پہنچنے کا راستہ ہی نہیں ملا، اس کے گال فارغ البال نہیں تھے تو جب اس لڑکے نے ابا کو دیکھا تو کہا کہ ذرا حجام کو بلانا، میں ابّا کو ایسے دفن نہیں ہونے دوں گا، اَپ ٹو ڈیٹ بنا کر قبر میں اُتاروں گا، توبہ توبہ میرا باپ کیا جھاڑ جھنکاڑ لے کر جائے گا۔ یہ ہے آج کل کی اولاد! یہ ہے تعلیم کا اثر! جج اکبرالٰہ آبادی جج نے فرمایا تھا۔

ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

انگریزی پڑھانا بُرا نہیں ہے لیکن آدمی دینداروں کی محبت سے کم ازکم اپنی آخرت تو درست کرلے۔ اکبرالٰہ آبادی کا کیا عمدہ شعر یاد آیا۔

نہ نماز ہے نہ روزہ نہ زکوٰۃ ہے نہ حج ہے
تو پھر اس کی کیا خوشی ہو کوئی جنٹ کوئی جج ہے

اور فرمایا۔

نہیں سیکھا انہوں نے دین رہ کر شیخ کے گھر میں
پلے کالج کے چکر میں مرے صاحب کے دفتر میں

انگریزی داں اللہ والا کب بنتا ہے؟

لیکن یہی انگریزی داں جب کسی اللہ والے سے قلم کھا جاتا ہے جیسے دیسی آم جب لنگڑے آم سے قلم کھا جاتا ہے تو دیسی آم کا دام بدل جاتا ہے، نام بدل جاتا ہے، کام بدل جاتا ہے۔ ٹنڈو جام میں دیسی آم کی پیوند کاری میں

نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے، جو کچھ بیان کر رہا ہوں وہ ایگری کلچر ڈیپارٹمنٹ میں دیکھا ہے۔تو جب دیسی آم لنگڑے آم کی قلم کھا کر لنگڑا آم بن گیا تو اب دیسی آم کا نام بدل گیا، دام بدل گیا اور کام بدل گیا تو ہمارے دیسی دل بھی اگر اللہ والوں کے دل کے ساتھ پیوند کھا جائیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ ہمارے دیسی دل اللہ والے دل بن جائیں گے یعنی صالح اور نیک بن جائیں گے۔

ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایل ایل بی اور انگریزی داں تھے مگر بڑے بڑے علماء ان کی جوتیاں اُٹھاتے تھے۔ دارالعلوم کے مولانا رفیع عثمانی، مولانا تقی عثمانی دارالعلوم کے ان محدثوں نے میرے سامنے ڈاکٹر صاحب کی جوتیاں اُٹھائیں کیونکہ اس مسٹر نے تھانہ بھون جا کر اپنی ’’ٹر‘‘ کو مس کر دیا تھا۔ یہ ہے بزرگوں کی صحبت کا انعام!

اللہ والوں کی نگاہوں کا فیض

حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شاہ ولی اللہ کے بیٹے شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ مسجد فتح پوری دہلی میں کئی گھنٹے عبادت میں مشغول تھے، نور ان کے دل سے بھر کر آنکھوں سے چھلک رہا تھا، چہرے سے جھلک رہا تھا، اچانک بیگم صاحبہ نے اطلاع بھیجی کہ جلدی آجایئے کوئی مہمان آیا ہے تو حضرت اسی حالتِ جذب اور حالت قرب میں مسجد سے باہر نکلے تو ایک کتّا دروازے پر بیٹھا تھا اس پر نظر پڑ گئی۔ اس واقعہ کے راوی کون ہیں؟ حکیم الامت مجدد زمانہ، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم پاکستان مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسے علماء ان کی جوتیاں اُٹھاتے تھے، تو حضرت تھانوی نے فرمایا کہ شاہ عبدالقادر صاحب کی اس کتّے پر جو نظر پڑی تو اللہ تعالیٰ نے اس کتّے کو کیا مقام دیا، ہر وقت ایسی نظر نہیں ہوتی، یہ نظر حالتِ جذب کی تھی، ان کی اس

نظر میں آٹھ گھنٹے کی عبادت کے اثرات تھے، تو اللہ نے اس کتے کو کیا مقام دیا کہ دلّی میں وہ کتّا جہاں بھی جاتا تھا سارے کتّے اس کے پاس باادب بیٹھ جاتے تھے۔ حکیم الامت نے ہنس کر فرمایا کہ ظالم! کتوں کا پیر بن گیا پھر فرمایا کہ ہائے! جن کی نگاہوں سے جانور بھی محروم نہیں رہتے ان کی نگاہوں سے انسان کیسے محروم رہ سکتے ہیں۔

اصحابِ کہف کا کتّا جس کا قرآن میں تذکرہ آیا ہے اور سارا عالَم اس کتّے کا نام پڑھتا ہے، تلاوت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ایک ناپاک حیوان کو جس کے منہ کی رال اگر کہیں لگ جائے تو اس کو دھونا فرض ہوتا ہے، اس کتّے کا ذکر قرآن میں کیا ہے۔ علامہ آلوسی نے تفسیر روح المعانی میں اس کتّے کا نام قطمیر لکھا ہے اور اللہ والوں کی صحبت کی برکت سے یہ کتا جنت میں بھی جائے گا۔ تفسیر روح المعانی میں ہے کہ یہ کتّا جب اصحابِ کہف کے ساتھ ہولیا تو ان لوگوں نے اسے پتھر مارا کہ منحوس! کہاں ہمارے ساتھ آرہا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو زبان دی، اس نے ان کی زبان میں کہا کہ مجھے پتھر نہ ماریئے، میں آپ لوگوں کو پہچانتا ہوں، آپ لوگ اولیاء اللہ ہوں، میں آپ کی حفاظت کے لیے چل رہا ہوں:

﴿وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ﴾

(سورۃ الکھف، آیت:۱۸، تفسیر معارف القرآن، کاندھلوی، ج۴، ص۵۶۹)

تو صحبت کا یہ اثر ہوتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا، نبی کا بیٹا بُروں کے ساتھ بیٹھا، بُرے لڑکوں کی صحبت میں خاندانِ نبوت کو گم کردیا اور کافر ہوگیا اور بابا کے ساتھ کشتی میں بھی نہیں بیٹھا، نتیجہ کیا نکلا کہ کافروں کی صحبت میں بیٹھنے سے کافر ہوگیا تو صحبت کا اثر یہ ہوتا ہے۔ اس لیے دوستو! کہتا ہوں کہ ؎

کعبہ میں پیدا کرے زندیق کو
لاوے بُت خانے سے وہ صدیق کو

ابوجہل کعبہ میں پیدا ہوا، اس کی ماں حاملہ تھی، حمل کو نو مہینے ہو چکے تھے، طواف کرتے کرتے وہ پیدا ہوا اور کھٹ سے گرا، کافر کے لیے ادب واکرام کے الفاظ جائز نہیں ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق کے والد بت پرست تھے مگر ان کے بیٹے کو اللہ نے صدیق بنایا اور ان کے والد کو بھی ایمان عطا فرمایا اور ان کی اولاد کو بھی اور اولاد کی اولاد کو بھی ایمان عطا فرمایا۔ محدثین لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی چار پشت صحابی تھی، یہ نعمت کسی اور صحابی کو حاصل نہیں، یہ اللہ کی دَین ہے۔

ولی اللہ بننے کی علامت

آہ! ایک شعر یاد آیا؎

سن لے اے دوست جب ایّام بھلے آتے ہیں
گھات ملنے کی وہ خود آپ ہی بتلاتے ہیں

جس کو اللہ تعالیٰ اپنا بنانا چاہتا ہے اس کے دل کو پتہ چل جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنا بنانا چاہتے ہیں، اس کے دل میں آوازیں آنے لگتی ہیں، اس کے دل میں اللہ کی طرف کشش پیدا ہوجاتی ہے، جو اللہ مقناطیس کا خالق ہے جس کو وہ انتخاب فرمائیں تو اس کے دل میں کشش پیدا نہ ہوگی؟ جگر کے استاذ اصغر گونڈوی رحمۃ اللہ علیہ اس مضمون کو بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کو جذب کرتا ہے تو اس کے دل کو پتہ چل جاتا ہے کہ میرا اللہ مجھے یاد فرمارہا ہے۔ حضرت ثابت بنانی تابعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے خادم سے کہتے ہیں کہ اس وقت مجھے اللہ تعالیٰ یاد فرمارہے ہیں، اس نے کہا کہ آپ کو کیسے پتا چلا؟ کیا کوئی وائرلیس یا ٹیلیفون آیا ہے؟ کہا کہ نہیں قرآن مجید میں خدائے تعالیٰ کا وعدہ ہے:

﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ﴾

(سورۃ البقرۃ، آیت: ۱۵۲)

تم مجھے یاد کرو ہم تمہیں یاد کریں گے۔ تو میں ان کو یاد کر رہا ہوں، کیا قرآن غلط ہو جائے گا؟ یقیناً وہ مجھے یاد فرما رہے ہیں۔ تو جگر کے استاد اصغر گونڈوی فرماتے ہیں؎

نہ میں دیوانہ ہوں اصغر نہ مجھ کو ذوقِ عریانی
کوئی کھینچے لیے جاتا ہے خود جیب و گریباں کو

دیکھیے! جو لوگ ہندوستان کے ہیں وہ جانتے ہیں کہ جگر کتنی شراب پیتے تھے، اتنی شراب پیتے تھے کہ دو آدمی اُٹھا کر مشاعرے میں لاتے تھے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کیا کہ جگر کو اپنا بنانا ہے، تب جگر صاحب کی شاعری کا رُخ بدل گیا۔ فرماتے ہیں؎

پینے کو تو بے حساب پی لی
اب ہے روزِ حساب کا دھڑکا

یہ ہے آغازِ تبدیلئ حیات، یہ ان کی زندگی کی تبدیلی کا نقطۂ آغاز شروع ہو رہا ہے جس کو آپ کی انگلش زبان میں زیرو پوائنٹ کہتے ہیں۔ دیکھیے! اب دل میں آخرت کا خیال آ رہا ہے، جب تعمیر وطن مقدر ہوتی ہے تو پردیس میں رہتے ہوئے بھی وطن کی یاد آتی ہے اور جس ظالم کی وطن کی خرابی مقدر ہو وہ پردیس کی رنگ رلیوں میں مست ہو کر رہتا ہے، وطن کو یاد بھی نہیں کرتا، وہ قلاّش اور تہی دست و کنگال ہو کر آخرت کو روانہ ہوتا ہے۔

لکھنؤ میں جب وائسرائے آیا اور سارا لکھنؤ سجایا گیا تو میرے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب اس وقت لکھنؤ میں تھے، خواجہ صاحب بھی میرے شیخ کے ساتھ تھے تو شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے خواجہ صاحب نے فرمایا کہ

حضرت! لکھنؤ کو وائسرائے کے لیے جو جھنڈیوں اور پھول کے گلدستوں سے سجایا گیا ہے اس پر ابھی ایک شعر ہوا ہے۔ پھر فرمایا کہ شعر یہ ہے ؎

رنگ رلیوں پہ زمانے کی نہ جانا اے دل
یہ خزاں ہے جو بہ اندازِ بہار آئی ہے

اکبر الٰہ آبادی کے ایک معمر دوست ساٹھ سال سے اوپر کے تھے، اسے عربی میں فَوْقَ سِتِّیْنَ کہتے ہیں تو وہ بالوں میں خضاب لگا کر کم سنی کا بندوست کررہے تھے، تو اکبر نے فی البدیہہ مزاحاً یہ شعر پڑھا ؎

مصروف ہیں جناب یہ کس بندوبست میں
اپریل کی بہار نہ ہوگی اگست میں

انجامِ حسنِ فانی

اس پر میرا ابھی ایک شعر ہے۔ دیکھیے! سولہ سال کی لڑکی اور سولہ سال کے لڑکے کی کیا جوانی ہوتی ہے لیکن یہ عالمِ شباب ایک دن کمر جھکا دے گا، سورج کا طلوع وغروب بالوں کو سفید کردے گا اور کمر جھک جائے گی، پھر آپ کیا کہیں گے؟ میرا یہ شعر پڑھیں گے ؎

کمر جھک کے مثلِ کمانی ہوئی
کوئی نانا ہوا کوئی نانی ہوئی

تو ایسے لوگوں سے دل لگا کر آخرت تباہ کرنے والو! کان کھول کے سن لو! ان شکلوں کے جغرافیے بدلنے والے ہیں، ایک دن ان شکلوں کا جغرافیہ ایسا بدلے گا کہ پہچانی بھی نہیں جائیں گی، جب پرانی عمارتیں گرتی ہیں تو ان کے کچھ آثارِ قدیمہ باقی رہتے ہیں، کھنڈرات دیکھے جاسکتے ہیں مگر اس حسن ظالم کے آثارِ قدیمہ کے کھنڈرات بھی باقی نہیں رہتے، انہیں پہچاننا بھی مشکل ہوجاتا

ہے، لوگ ان سے پوچھتے ہیں کہ آپ کا اسم گرامی؟ حالانکہ رات دن اسی کے ساتھ کالج میں پڑھ رہے تھے، اسے بری نظروں سے دیکھ رہے تھے، اسے غصہ بھی آتا ہے، پھر وہ گرامی کے وزن پر ایک لفظ کہہ دیتا ہے۔ لہٰذا صورتوں کے فتنے میں مت آؤ، یہ فانی چیزیں ہیں، فانی پر اپنی جوانی کو گنوا دینا احمقانہ روش ہے۔ اب میرا شعر سنیے ؎

کسی خاکی پہ مت کر خاک اپنی زندگانی کو
جوانی کر فدا اس پر کہ جس نے دی جوانی کو

یہ سب حسین مٹی کے بنے ہوئے ہیں، صرف ان پر کچھ دن کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمارے امتحان کے لیے حسن کا ڈسٹمپر کردیا ہے۔ میں جب صیانۃ المسلمین کے اجتماع کے لیے لاہور گیا تو اسی وقت ایک تازہ شعر ہوا جسے سن کر جامعہ اشرفیہ لاہور کے علماء پھڑک اٹھے۔ وہ شعر تھا ؎

میر مارے گئے ڈسٹمپر سے
ورنہ مٹی کی حقیقت کیا تھی

یعنی یہ ساری شکلیں مٹی ہی کی تو ہیں، ہم لوگ مٹی ہی تو ہیں، قبروں میں جا کر مٹی ہوجاتے ہیں یا نہیں؟ اس حسن کے ڈسٹمپر کو دیکھ کر ہم پاگل ہوجاتے ہیں حالانکہ یہ محض چند دن کا امتحان ہے۔ تو میرا شعر ہے ؎

کسی خاکی پہ مت کر خاک اپنی زندگانی کو

(کچھ لوگ پیچھے بیٹھ کر آپس میں باتیں کررہے تھے تو فرمایا) جب دین کی بات ہورہی ہو، غور سے سنو، جو سِیپ اپنا منہ کھولے رکھتی ہے اسی میں بارش کا قطرہ موتی بن جاتا ہے اور جو سِیپ منہ بند کردے پھر کیا ہوگا؟ کیا اس کے باطن میں موتی بنے گا؟ اس لیے کہتا ہوں کہ غور سے سنیے، میرا ابھی وقت لگ رہا ہے، میں یہاں نذرانہ لے کر بیان کرنے نہیں آیا ہوں، مجھے مقتداء حسن علوی نے بلایا

ہے اور ان سے کوئی نذرانہ طے نہیں ہے، ایک روپیہ بھی نہیں، ایک نوٹ بھی نہیں، اور نہ کھانا نہ مرنڈا، نہ انڈا، سمجھ گئے آپ لوگ! میں نے ان سے کھانے تک کا بھی وعدہ نہیں کیا، میں نے کہا کہ میں کھانا نہیں کھاؤں گا تا کہ میرا وعظ خالص اللہ کے لیے ہو۔ تو ایسے واعظ کے لیے تو کم از کم آپ کو سوچنا چاہیے کہ وہ کس طرح اپنا دردِ دل آپ کے سامنے پیش کر رہا ہے۔ ابھی اگر کسی کے یہاں اعلان ہو جائے کہ ہر آدمی کو ہر پانچ منٹ کے بعد ایک ایک ہزار کے نوٹ ملیں گے مگر شرط یہ ہے کہ سب خاموش رہیں، آپ بولیے کہ اس وقت کسی کی آواز نکلے گی؟

تو دوستو! صورتوں سے دل مت لگاؤ، آج کل زیادہ فتنہ اسی کا ہے۔ اسی طرح بہت سے لوگ ڈاڑھی رکھنا چاہتے ہیں، باپ داداؤں کی ڈاڑھی اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کا نقشہ ان کے ذہن میں ہے، وہ چاہتے ہیں کہ ڈاڑھی رکھ لیں، لیکن ڈرتے ہیں کہ سب سے پہلے بیوی ناراض ہو گی۔

ایک لطیفہ

ایک صاحب اپنی بیوی سے بہت ڈرتے تھے تو پہلے زمانہ میں برسات میں بیسن کی پھلکی پکانے کا رواج ہوتا تھا، بیسن کی پھلکیوں میں خوب ہری مرچیں ڈالتے ہیں اور گرم گرم کھاتے ہیں۔ تو ایک دن شوہر صاحب بھوکے پیاسے دفتر سے آئے تو انہوں نے بیوی سے زیادہ پھلکیاں کھالیں بس میاں بیوی میں لڑائی شروع ہو گئی، بیوی نے کہا کہ تم نے زیادہ کیوں کھایا؟ غرض جب تو تو میں میں زیادہ بڑھ گئی تو شوہر نے جھلّا کر کہا کہ اے خدا! یا تو میں مر جاؤں یا۔۔۔۔۔ آگے کہنا چاہ رہے تھے کہ یا یہ بیوی مر جائے لیکن جب اس نے یا کہا تو بیوی نے شوہر صاحب کے اوپر چمٹا اُٹھایا اور کہا کہ یا کیا؟ تو اس نے کہا

کہ یا بھی میں ہی مرجاؤں۔ دیکھا آپ نے چمٹے کا رعب!

تو دوستو! میں عرض کر رہا تھا کہ چہروں کے جغرافیے بدلنے والے ہیں۔ اس پر میرا شعر ہے ؎

ادھر جغرافیہ بدلا اُدھر تاریخ بھی بدلی
نہ اُن کی ہسٹری باقی نہ میری مسٹری باقی

آپ ایسے مُلّا کم پائیں گے جو رومانٹک شعر بھی کہتے ہوں۔ میں رومانٹک شعر اس لیے کہتا ہوں کہ جو رومانٹک دنیا میں پھنس کر بحر اٹلانٹک میں غرق ہو چکے ہیں ان کو کسی طرح محبت کے مضامین سنا کر نکالا جائے ؎

ادھر جغرافیہ بدلا اُدھر تاریخ بھی بدلی

یعنی جب چہرہ بدل گیا تو سارا عشق غائب ہو گیا، اب لوگ اس کی شکل دیکھ کر بھاگ رہے ہیں، اب نہ مرنڈا پوچھتے ہیں نہ انڈا، بس دور سے ڈنڈا دکھا رہے ہیں کہ بس حسن ختم ہو گیا، اب تو سب معاملہ ہی ختم ہو گیا ؎

حسن رخصت ہوا گلے مل کے
شامیانے اُجڑ گئے دل کے

اور ؎

کسی خاکی پہ مت کر خاک اپنی زندگانی کو

ورنہ مٹی کی عورت، مٹی کا مرد، قبروں میں سب مٹی ہی مٹی ہو جائیں گے۔ بس اپنی بیویوں سے اللہ کے لیے محبت کرو، جو اللہ نے ہمارے لیے حلال کی ہے وہ مستثنیٰ ہیں، یہ میں ان سے کہہ رہا ہوں جو اِدھر اُدھر دل پھینکتے پھرتے ہیں۔ میں نے بچپن میں مڈل اسکول میں ایک شعر پڑھا تھا ؎

دَر بدر جھانکتے پھرتے ہیں انہیں عار نہیں
نِت نیا روز مزہ چکھنے کا ہے لپکا اُن کو

یہ شعر میں نے مڈل اسکول میں پڑھا تھا، آج میری عمر ساٹھ برس ہوگئی، پچاس پچپن برس کا شعر کبھی کبھی یاد آجاتا ہے، بچپن ہی سے میرے مزاج میں شاعری تھی، اُس وقت بھی اگر اماں کہتی تھیں کہ مرچیں لے آؤ تو میں مرچیں لاکر اماں کو دیتا تھا اور جس کاغذ میں مرچیں لاتا تھا اسے دیکھتا تھا کہ اس میں کوئی شعر تو نہیں لکھا ہے۔ مجھے اس وقت کے دو شعر یاد آگئے، ہمارا ماسٹر ہندو تھا مگر ظالم اس زمانہ کے ہندو بھی بہت عمدہ شعر لکھواتے تھے، تو اس ہندو ماسٹر کے مجھے دو شعر یاد آگئے، ہم سب کو وہ ہندو یہ شعر لکھواتا تھا۔

نکلے چلے آتے ہیں تہہ ارض سے کھانے
یہ خوانِ کرم کس نے بچھایا ہے؟ خدا نے
اسراف نے ارباب تمول کو ڈبویا
عالِم کو تفاخر نے تو زاہد کو ریا نے

بتایئے! میں حیران رہ گیا، کاش کہ اللہ اس کو ایمان دے دے۔

بدنظری کرنے والے کو اپنی بیوی اچھی نہیں لگتی

تو اللہ کے سوا جس نے کہیں بھی دل لگایا، اولاد، بیوی بچے، تجارت یہ سب حلال چیزیں تو مستثنیٰ ہیں لیکن میرا مقصد اس وقت یہ ہے کہ آج کل سڑکوں پر چلتے ہوئے جو نظر کی حفاظت نہیں کرتے پھر ان کو اپنی بیبیاں پسند نہیں آتیں، گھر میں لڑائی شروع ہوجاتی ہے، جب میاں صاحب اُدھر منہ کر کے لیٹتے ہیں تب بیوی سمجھ جاتی ہے کہ ظالم کہیں اِدھر اُدھر نظر ڈال کر آیا ہے اور کسی بھوتنی کے عشق میں بھوت بنا ہوا ہے، میری طرف دیکھتا بھی نہیں، اس وقت پھر بے چاری آنسو بہا کر رات گذارتی ہے اور دوسرے دن تعویذ مانگتی ہے، وظیفے پوچھتی ہیں۔

چڑ چڑ پن اور غصے کے علاج کے لئے وظیفہ

میں آج مجمع عام میں وظیفہ بھی بتائے دے رہا ہوں کیونکہ نذرانہ تو لینا نہیں تو میں کیوں چھپاؤں؟ دیکھو اگر کسی کی بیوی چڑ چڑی ہو اور بہت زیادہ تنگ کرتی ہو تو شوہر صاحب یَا سُبُّوْحُ یَا قُدُّوْسُ یَا غَفُوْرُ یَا وَدُوْدُ پڑھ کر اس پر دم کرتے رہیں اور پانی پر دم کر کے بھی پلائیں، کھانے پینے پر بھی دم کر دیں، ان شاء اللہ تعالیٰ! بیوی کا مزاج ٹھنڈا ہو جائے گا اور اگر معاملہ برعکس ہے، داماد ستا رہا ہے، شوہر کا مزاج چڑ چڑا ہے، جب دیکھو آنکھیں لال کیے غصہ سے دیکھ رہا ہے، باہر دوستوں میں تو خوب ہنسے گا اور گھر میں آئے گا تو بالکل فرعون بن کر آئے گا اور اگر دیندار ہے تو بایزید بسطامی بن کر آنکھ بند کر کے تسبیح پڑھتا ہوا آئے گا حالانکہ یہ بھی سنت کے خلاف ہے، یہ زندگی بھی سنت کے خلاف ہے۔ ارے تسبیح تو بہت پڑھ لی، اب بیوی سے بات کرنا بھی تو عبادت ہے۔

گھر میں داخل ہونے کی ایک خاص سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی تشریف لاتے تھے مسکراتے ہوئے آتے تھے اور آج کل دیندار کس طرح گھر میں داخل ہوتا ہے، آنکھ بند کیے ہوئے، تسبیح پڑھتے ہوئے، بڑے بایزید بسطامی بنے ہوئے ہیں جیسے دنیا کو جانتے ہی نہیں، ہر وقت عرش پر رہتے ہیں، ظالم کہیں کا! یہ شخص تارکِ سنت ہے، ارے مسکراتے ہوئے آؤ، ہنستے ہوئے آؤ، اپنی بیوی سے بات چیت بھی کرو، بیچاری دن بھر کی ترسی ہوئی ہے، اس کے ساتھ شفقت سے رہو۔

بیویوں سے حسن اخلاق سے پیش آؤ

اللہ تعالیٰ نے ان کی سفارش فرمائی ہے:

﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾

(سورۃ النسآء، آیت:۱۹)

حکیم الامت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بندیوں کے لیے شوہر کو حکم دیا ہے کہ ان کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔ خدائے تعالیٰ کی سفارش کو جو رد کرتا ہے میں نے اس کو بہت مصیبت میں پایا ہے، جو لوگ اپنی بیویوں کو ستاتے ہیں، اِدھر اُدھر نظر خراب کر کے بیوی کو کہتے ہیں کہ تُو تو بھنگن معلوم ہوتی ہے، میرے ماں باپ کو پتہ نہیں تجھ میں کیا نظر آیا، میری ماں گیارہ نمبر کا چشمہ لگا کر دیکھنے گئی تھی، دھوکہ کھا گئی۔ میرے طبیہ کالج پڑھنے کے زمانے میں ایسا ایک قصہ ہو چکا ہے ایک صاحب بڑے حسین جب میں وہاں پڑھتا تھا تو وہ بھی پڑھتے تھے۔ ماشاء اللہ، اللہ نے ان کو اچھی شکل وصورت دی تھی۔ لیکن واقعی ان کی اماں شاید زیادہ نمبر کا چشمہ لگا کر پسند کرنے گئی تھیں کہ ایسا ہی انتخاب ہو گیا کہ ان کی بیوی کو ان کی شکل وحسن سے کوئی دو پار کی بھی نسبت نہیں تھی۔ توبہ توبہ اماں کو بھی ہر وقت طعنہ دیتے ہیں۔

خدّامِ دین کو ایک نصیحت

مگر میں آپ سے کہتا ہوں کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اتنے حسین تھے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان کے حسن کے خوف سے کہ کہیں ان پر کوئی نظر نہ پڑ جائے ان کو سبق پڑھاتے وقت اپنے پیچھے بٹھلاتے تھے، جب ان کے ڈاڑھی آ گئی تب آگے بٹھلایا لیکن جب امام محمد کی شادی ہوئی تو ان کی بیوی بہت ہی کم حسین تھی، ایک دفعہ ایک شاگرد کی ان کی بیوی پر نظر پڑ گئی، وہ کھانا لینے گیا تھا،

ہوا تیز چلی تو پردہ اُڑ گیا، اب وہ اپنے استاد کے پاس آ کر رونے لگا کہ اے امام محمد! آپ کی زندگی خراب ہوگئی، آپ تو اتنے حسین چاند جیسے ہیں مگر آپ کی بیوی کو آپ سے کوئی مناسبت ہی نہیں ہے تو انہوں نے ہنستے ہوئے فرمایا کہ دیکھو! میں چھ کتابیں لکھ رہا ہوں سیر صغیر، سیر کبیر، جامع صغیر، جامع کبیر، زیادات، مبسوط اور تم لوگوں کو فقہ بھی پڑھا رہا ہوں اگر بیوی زیادہ حسین ہوتی تو تم لوگ میرا دروازہ کھٹکھٹاتے رہتے کہ استاد جی! سبق کا وقت ہوگیا اور میں کہتا I am very very busy، یعنی میں بہت مشغول ہوں، ضروری مشورہ ہو رہا ہے، کارنر میٹنگ ہو رہی ہے، اس وقت میں نہیں آ سکتا تو فرمایا کہ جس سے اللہ تعالیٰ دین کی خدمت کا کام لیتے ہیں اسے مٹی کے کھلونوں میں ضائع نہیں کرتے، اللہ جو قسمت میں لکھ دے اس پر راضی رہو۔

جنت میں مسلمان بیویوں کا حسن و جمال

علامہ آلوسی تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعلان فرماتے ہیں کہ ہماری مسلمان بیبیاں جنت میں حوروں سے زیادہ حسین کر دی جائیں گی۔ (روح المعانی: ج ۲۷، ص ۱۲۶، مطبوعہ بیروت) جیسے پلیٹ فارم پر کبھی شکایت نہیں کرتے کہ چائے اچھی نہیں ملی، کہتے ہیں کہ میاں گرم پانی ہی سہی، زکام تو نہیں ہوگا تو یہ سمجھ لو کہ دنیا بھی پلیٹ فارم ہے، مسافر خانہ ہے جو اللہ نے مقدر کر دیا ان کے ساتھ نباہ کرلو۔ آپ خود سوچئے کہ آپ کی بیٹی غصہ والی، چڑ چڑی اور صورت کی بھی خراب ہو اور آپ کو کوئی ایسا شریف داماد مل جائے جو اس سے حسن میں اچھا ہو اور اس کے اخلاق بھی اچھے ہوں اور اس کے ساتھ نباہ دے تو بیٹی کہتی ہے کہ ابّا آپ کو بہت شریف داماد ملا ہے، میں تو اس سے حسن

میں بھی کم تر ہوں، مزاج بھی میرا خراب ہے، ذرا ذرا سی بات پر غصہ بھی آتا ہے
مگر میرا شوہر سب کچھ برداشت کرتا ہے، تو ابّا کہتا ہے کہ اچھا کلفٹن کا فلاں بنگلہ
میں اس لائق داماد کو دیتا ہوں جس نے میری بیٹی کے ساتھ پیار کیا ورنہ غصہ آتا
اور طلاق دے دیتا تو میں کیا کرتا؟ تو جو لوگ اللہ تعالیٰ کی بندیوں کے ساتھ حسنِ
اخلاق سے نباہ دیں چاہے ان میں کمزوریاں بھی ہوں، حسن میں کمزور ہوں،
اخلاق کا چڑچڑاپن ہو مگر اللہ کی بندی سمجھ کر برداشت کرلو، ابّا نے تو کلفٹن کا بنگلہ
دیا، ربّا جنت کا بنگلہ دے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ کتنے بزرگ اسی سے ولی اللہ
ہوگئے کہ بیویوں کی تلخ گوئی کو برداشت کرلیا، اسی پر اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت
میں کیا سے کیا مقام دے دیا۔

حضرت مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کا مزاج

حضرت مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ بہت نازک مزاج تھے اور بیوی
بڑی چڑچڑی تھی، ہر وقت خوب تُوتُو میں میں کرتی تھی مگر وہ ہنس کے ٹال دیتے
تھے کیونکہ انہیں الہام ہوا تھا کہ مظہر جان جاناں تو بہت نازک مزاج ہے کہ
بادشاہ نے پانی پی کر صراحی پر پیالہ ترچھا رکھ دیا تو سر میں درد ہوگیا، بادشاہ نے کہا
کہ ایک ملازم آپ کے لیے بھیج دوں، اسے شاہی خزانے سے تنخواہ دی جائے گی
تو فرمایا کہ اب تک تو میں نے صبر کیا تھا، اب تو مجھ سے صبر نہیں ہورہا، آپ نے
پانی پی کر پیالہ ترچھا رکھ دیا، آپ کو پیالہ رکھنا نہیں آتا تو آپ کے نوکر کا کیا حال
ہوگا؟ بس مجھے تو آپ معاف ہی رکھیے۔

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ اکابر اولیاء اللہ میں سے
ہیں، اُن کا مزاج اتنا نازک تھا کہ دہلی کی جامع مسجد جاتے ہوئے راستے میں
چارپائی ٹیڑھی رکھی دیکھی تو سر میں درد ہوگیا، رضائی اوڑھی اس میں ڈورے

ٹیڑھے پروئے ہوئے تھے تو انہیں دیکھ کر سر میں درد ہوگیا۔تو ان کے دل میں بار بار الہام ہورہا تھا کہ محلہ کی فلاں چڑ چڑے مزاج والی عورت سے شادی کرلو، میں سارے عالَم میں تمہارا ڈنکا پٹوادوں گا، وہ میری بندی ہے، قرآن کی تلاوت کرتی ہے، نماز پڑھتی ہے بس ذرا مزاج کی گڑ بڑ ہے۔ انہوں نے جا کر پیغام دیا، اُس کو بیاہ کر لے آئے، اب صبح وشام اس کی ترٹ ترٹ اور کٹ کٹ سن رہے ہیں اور کبھی کچھ نہیں کہتے۔ ایک شخص نے کہا کہ حضرت! آپ نے ایسی بیوی سے کیوں نکاح کیا؟ فرمایا کہ میں نے اللہ کی مرضی سے کیا ہے اور اسی کی برکت سے سارے عالَم میں آج میرا ڈنکا پٹ رہا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کو بہت زیادہ عزت دیتے ہیں تو تھوڑا سا مجاہدہ کا سامان بھی دیتے ہیں تاکہ بیلنس قائم رہے۔ جن کے زیادہ ہاتھ پیر چومے جاتے ہیں انہیں کچھ غم بھی دیا جاتا ہے۔

میرے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک ولی اللہ سے ان کے خادم نے پوچھا کہ ہم نے سنا ہے کہ اللہ والوں کو کوئی ہلکا سا غم رہتا ہے اور آپ کو دیکھتا ہوں کہ مرغ مسلم اُڑا رہے ہیں، شامی کباب و بریانیاں اڑا رہے ہیں اور ہر وقت ٹانگیں دبائی جارہی ہیں، سر میں تیل کی مالش ہورہی ہے۔فرمایا اچھا ذرا میری پیٹھ کھول۔ پیٹھ کو کھول کر دیکھا تو ایک ناسور تھا، اس کا درد ان کو ہر وقت درد آشنا رکھتا تھا۔ اس لیے کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ جس طرح سے ہماری پرورش فرمائیں وہ ہی ہمارے لیے بہتر ہے۔

خواجہ حسن بصریؒ اور ان کے ایک غلام کا واقعہ

خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ایک سو بیس صحابہ کی زیارت کرنے والے تابعی ہیں، ان کی سنت تحنیک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ادا کی تھی یعنی کھجور چبا کر ان کے منہ میں ڈالی تھی، اتنے بڑے تابعی تھے۔ وہ بصرہ سے

ایک غلام خرید کر لائے، وہ غلام صاحب نسبت تھا۔ انہوں نے اس سے پوچھا کہ اے غلام تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا کہ حضور! غلاموں کا کوئی نام نہیں ہوتا مالک جس نام سے چاہے پکارلے، پھر پوچھا کہ اچھا کیا کھانا پسند کرتے ہو؟ اس نے کہا کہ حضور! غلاموں کا کوئی کھانا نہیں ہوتا جو مالک کھلا دے وہی اس کا کھانا ہوتا ہے، پوچھا کہ اچھا اے غلام! تو کیسا کپڑا پہننا پسند کرتا ہے؟ کہا کہ حضور! غلاموں کا کوئی لباس نہیں ہوتا جو مالک پہنا دے وہی اس کا لباس ہوتا ہے۔ بس خواجہ حسن بصری بے ہوش ہو گئے، جب ہوش میں آئے تو فرمایا کہ جاؤ! تم کو آزاد کر دیا۔ غلام نے پوچھا کہ کس خوشی میں؟ فرمایا کہ تم نے مجھ کو اللہ تعالیٰ کی بندگی سکھا دی۔ آج کل تو ہمارا منہ ہی ہر وقت ٹیڑھا رہتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ مجھے پلاٹ چھوٹا ملا، کوئی کہتا ہے کہ میرا تو پیٹ ہی نہیں بھرا، بس ہر وقت شکایت ہی کرتے رہتے ہیں اور اسی وجہ سے پریشانی رہتی ہے، تفویض و تسلیم اگر حاصل ہو جائے تو پریشانی قریب بھی نہیں آتی کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر گذر گئی جو گذرنا تھی۔ مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شعر یاد آیا ؎

گذر گئی جو گذرنا تھی دل پہ پھر بھی مگر
جو تیری مرضی کے بندے تھے لب ہلا نہ سکے

اور ؎

مرضی تری ہر وقت جسے پیشِ نظر ہے
پھر اس کی زباں پر نہ اگر ہے نہ مگر ہے

یہ بہت بڑے اللہ والے بزرگ شاعر ہیں، فرماتے ہیں کہ اگر میں اللہ پر عاشق نہ ہوں، فدا نہ ہوں تو بتاؤ میں ان کے سوا کس پہ فدا ہوں، مجھے بتا دو ؎

میں اُن کے سوا کس پہ فدا ہوں یہ بتا دے
لا مجھ کو دکھا اُن کی طرح کوئی اگر ہے

اللہ کی طرح ہے کوئی ؟ لَا مِثْلَ لَہٗ وَلَا کُفُوًا لَہٗ اس جہاں سے وہی بندے کما گئے جنہوں نے اپنے رب کا نام لیا، اللہ کو یاد کیا، دل میں اپنے اللہ کی محبت حاصل کی اور آخرت کی کرنسی جمع کر گئے۔ جب کفن میں لپیٹ کر زمین کے نیچے ڈالے گئے تو معلوم ہوا کہ ماشاء اللہ ان کے پاس بہت بڑی دولت ہے۔ اور جنہوں نے ہر وقت اپنا بنگلہ دیکھا کہ فرش ایسا ہے، اس میں کون سا ٹائل لگایا جائے کہ جس کو دیکھ کر دل مائل ہوجائے اور گھائل بھی ہوجائے اور محلہ والے قائل بھی ہوجائیں، ہر وقت اسی فکر میں لگا رہا تو جب روح نکلتی ہے تو سیٹھ بڑے غور سے اپنا مکان دیکھتا ہے کہ ہائے ہائے! یہ بنگلہ چھوٹ رہا ہے، یہ نقش و نگار، یہ گملے اور یہ بنگلے آج ہاتھ سے جا رہے ہیں۔ علی گڑھ کے نواب کے بنگلہ پر میرے اشعار ہوئے تھے؎

بہت خوشنما ہیں یہ بنگلے تمہارے
یہ گملوں کے جُھرمٹ یہ رنگیں نظارے
ارے جی رہے ہو یہ کس کے سہارے
کہ مرنے سے ہوجائیں گے سب کنارے

تعمیرِ وطنِ آخرت کی فکر اہل اللہ کی صحبت سے ملتی ہے

لٰہذا مبارک بندے وہ ہیں جنہوں نے دنیا کو پردیس سمجھا، پردیس کی ضروریات کو پورا کرتے ہوئے اپنی تعمیرِ وطن میں لگے رہے، جب آنکھ بند ہوئی تو ماشاء اللہ انہیں کوئی غم نہیں ہوتا۔ اس لیے خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ والوں کے پاس بیٹھو ان شاء اللہ تعالیٰ تعمیرِ وطن کے جذبات اور تعمیرِ وطن کی فکر پیدا ہوجائے گی۔ کیسے؟ فرماتے ہیں؎

لگ چکا تھا دل قفس میں پھر پریشاں کر دیا

ہم صفیرو! تم نے کیوں ذکرِ گلستاں کر دیا

اللہ والے، اللہ کی محبت کی باتیں سنائیں گے، وطن آخرت کی باتیں سنائیں گے اور دین کو لذیذ کر کے پیش کریں گے۔ آج دین کو بھیانک کر کے پیش کیا جاتا ہے۔ ایک میرا شیخ تھا، فرمایا کہ دین بالکل محبت کا مجموعہ ہے، کیسے؟ ہم لوگ نماز کو ڈنڈ سمجھتے ہیں، جرمانہ سمجھتے ہیں، رمضان کو دیکھتے ہی کہتے ہیں کہ ارے توبہ! ابھی سے کہاں سے رمضان آ گئے؟ اب تو پیٹ جلے گا۔

ایک لطیفہ

حکیم الامت فرماتے ہیں کہ ایک مولوی صاحب نے کسی گاؤں میں جا کر کہا کہ دیکھو! رمضان آ رہے ہیں، اب تم لوگوں پر روزہ فرض ہوگا، وہ کہنے لگے کہ روزہ کیا ہوتا ہے؟ انہوں نے کہا کہ صبح سے شام تک کچھ نہیں کھانا پینا، سارا دن بھوکے پیاسے رہنا، بس مغرب کی اذان سن کر کھانا۔ تو انہوں نے کہا کہ رمضان صاحب کس طرف سے آتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مغرب کی طرف سے آتے ہیں۔ سب نے کہا اچھا اب کچھ نہ کہو خاموش رہو اور مولوی کو جانے دو۔ پھر ان کی آپس میں کارنر میٹنگ ہوئی، انہوں نے کہا کہ جب رمضان آئے تو اس کو لاٹھی سے مار مار کر جان سے مار ڈالو، بھگا دو، نہ رمضان گاؤں میں آئے گا نہ روزہ فرض ہوگا لہٰذا جب شعبان کی انتیس تاریخ ہوئی تو چونکہ مولوی صاحب نے بتا دیا تھا کہ انتیس یا تیس کو رمضان صاحب آتے ہیں لہٰذا سب لاٹھی لے کر گاؤں کے باہر کھڑے ہو گئے کہ دیکھتے ہیں! رمضان صاحب کیسے آتے ہیں؟ اب سب لاٹھی لیے کھڑے ہیں، اور غور سے مغرب کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ اتنے میں دیکھا کہ ایک آدمی اونٹ پر بیٹھا ہوا آ رہا ہے۔ اس کی لاٹھی کھانے کی قسمت اُسے اس گاؤں میں لے آئی۔ اس گاؤں کا

جو بڑا چوہدری تھا اس نے زور سے چلّا کر کہا او اونٹ والے! تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا میرا نام ہے رمضان علی۔ بس سب کہنے لگے کہ ارے یہی وہ شخص ہے جس کے آنے سے روزہ فرض ہوتا ہے، مارو اس کو لاٹھی سے، اب وہ بے چارہ سوچنے لگا کہ یا خدا! یہ کیا مصیبت ہے؟ اس نے جلدی سے اونٹ کا رُخ بدلا اور وہاں سے بھاگا۔ مولوی صاحب ایک مہینے کے بعد آئے، پوچھا کہ بھئی! رمضان کا روزہ رکھا؟ کہا کہ رمضان کا روزہ کیسے رکھتے ہم نے روزہ فرض ہی نہیں ہونے دیا، رمضان کو گاؤں میں آنے ہی نہیں دیا۔

سارا دین محبت ہی محبت ہے

تو میرے شیخ نے کہا کہ دیکھ سارا دین محبت ہے۔ دیکھو! کیا اپنے محبوب سے، کیا اپنے پیاروں سے، اپنی اماں سے، ابا سے بات کرنے کو دل چاہتا ہے یا نہیں؟ تو بندہ کو ربّا سے بھی بات کرنے کا دل چاہتا ہے یا نہیں؟ بس نماز رب سے بات کرنے کا اور مناجات کا ذریعہ ہے۔

اِنَّ لَمُصَلِّیْ یُنَاجِیْ رَبَّہٗ عَزَّوَجَلَّ اِنَّ اَحَدَ کُمْ اِذَا صَلّٰی یُنَاجِیْ رَبَّہٗ

(بخاری شریف، ج ۱، ص ۷۶، کتاب مواقیت الصلوٰۃ، باب المصلی یناجی ربہ عزوجل)

نماز میں آدمی اپنے رب سے باتیں کرتا ہے۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ، اے خدا ہم آپ کے بندے ہیں، مگر آدابِ بندگی ادا کرنے کے لیے اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ، ہم آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں، یہ بندہ کی اللہ سے گفتگو ہو رہی ہے۔ کیوں صاحب! یہ محبت نہیں ہے؟ آپ کو جن سے محبت ہے ان سے ملاقات کو دل چاہتا ہے یا نہیں؟ ارے! کوئی ایسا عاشق ہے جو کہتا ہے کہ بھئی میرا تو محبوب سے ملاقات کرنے کو دل نہیں چاہتا تو معلوم ہوا کہ یہ محبت آشنا نہیں ہے، بالکل ہی حیوانِ مطلق ہے، انسانیت جانتا ہی نہیں ورنہ واقعی نماز میں اللہ میاں سے باتیں

کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔

اچھا روزہ کیا چیز ہے؟ روزہ بھی محبت ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ صاحب آپ کو دیکھ کر تو آج میں کھانا پینا ہی بھول گیا۔ بولیے! جس سے شدید محبت ہوتی ہے اس سے کہتے ہیں ناں کہ آپ کو دیکھ کر ایسا مزہ آیا کہ آج کھانا بھی بھول گیا، یہی روزہ ہے کہ اے میرے بندو! تم میری محبت کے لیے کھانا پینا بھولنا چاہتے ہو تو ایک مہینے کے لیے تمہاری محبت کی تکمیل کے لیے میں نے رمضان کے مہینہ میں روزے فرض کر دیئے ہیں۔ اب آپ کہیں گے کہ واقعی صاحب! یہ بات تو ہم سمجھ گئے۔

اب یہ جو ہم مال کی زکوٰۃ نکالتے ہیں یہ بھی محبت ہی ہے کیونکہ ایک شخص کنجوس تھا، اس کا دس سال کا پلا ہوا کتّا بھوک سے مر رہا تھا، اس کنجوس کے سر پر روٹیوں کا ٹوکرا تھا اور وہ رو رہا تھا، کسی نے اس سے پوچھا کہ کیوں رو رہے ہو تو وہ بولا کہ میرا کتا بھوک سے مر رہا ہے۔ اس نے کہا کہ تمہارے سر پر کیا ہے؟ وہ بولا کہ ٹوکرے میں روٹیاں بھری ہوئی ہیں۔ تو اس نے کہا کہ جب اتنا محبوب کتّا بھوک سے مر رہا ہے اور روٹی سر پر ہے تو کتے کو روٹی کیوں نہیں دیتے؟ تو اس کنجوس نے کہا کہ بات یہ ہے کہ آنسو تو مفت کے ہیں اور روٹیوں پر پیسے لگے ہوئے ہیں۔ وہ کنجوس خالی کنجوس نہیں تھا مکھی چوس بھی تھا۔ مکھی چوس کے معنی معلوم ہیں کہ مکھی شوربے میں گری اور اُڑنے لگی تو اس کو پکڑ کر اس کے پروں پر لگا ہوا شوربہ تک چوس رہا تھا ظالم! کہ ایسے جانے نہیں دوں گا۔

تو معلوم ہوا کہ زکوٰۃ بھی اللہ تعالیٰ نے اس لیے فرض کی ہے کہ ہر آدمی اپنے محبوب کو اور اس کے رشتے داروں کو اور اس کے گلی کے فقیروں کو کھلانا چاہتا ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے مدینہ پاک میں دیکھا کہ ایک صاحب جو عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے، وہ مدینہ کے تمام فقیروں کو روٹیاں تقسیم کرتے

تھے، کہتے تھے کہ یہ ہمارے نبی کے شہر کے فقیر ہیں، سبحان اللہ! یہ ہے زکوٰۃ کہ اللہ کے غریب بندوں پر بھی خرچ کرو۔ آپ یہ بھی تو دیکھو کہ اللہ نے آپ کو مال کتنا دیا اور اس مال میں سے زکوٰۃ کتنی فرض کی؟ ایک لاکھ پر ڈھائی ہزار روپے، ایک ہزار پر صرف پچیس روپیہ۔ ایک مالدار آدمی کو جب معلوم ہوا کہ دس ہزار پر ڈھائی سو روپیہ نکالنا پڑے گا تو اس نے کہا کہ ڈھائی سو میں تو میری ایک پتلون بن جائے گی، مجھے تو زکوٰۃ دیتے ہوئے بہت تکلیف ہو رہی ہے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ تم ڈھائی سو تو دیکھ رہے ہو لیکن ادھر بھی تو دیکھو کہ اللہ نے دیا کتنا ہے۔ لیکن یہ بے وقوف ایک لاکھ پر ڈھائی ہزار دے رہا ہے اور اس کا بھی غم ہے اور یہ جو ساڑھے ستانوے ہزار لیے بیٹھے ہو اس پر نظر نہیں کرتے۔

تو اسلام کے تین احکام کی محبت کا تو پتہ چل گیا کہ ان احکام کی وجہ اصل میں محبت ہی ہے۔ اب چوتھا حکم کیا ہے؟ جس سے محبت ہوتی ہے دل چاہتا ہے کہ کبھی اس کے گھر کا چکر بھی لگائیں۔ یہ ہے حج کہ اللہ پیسہ دے تو اس کے گھر کے چکر لگاؤ، یہ بھی عشق و محبت کی بات ہے۔ جب میں نے پہلا حج کیا تو میرا ایک شعر طواف کی حالت میں موضوع ہوا۔

کہاں یہ میری قسمت یہ طواف تیرے گھر کا
میں جاگتا ہوں یارب یا خواب دیکھتا ہوں

اللہ کے گھر کا چکر یعنی حج کیا ہے؟ یہ بھی عشق ہے۔ اور آپ کہیں گے کہ پھر جہاد کیا ہے؟ جہاد میں تو جان بھی چلی جاتی ہے۔ تو صاحب! پھر شاعر نے یہ کیوں کہا تھا۔

نکل جائے دَم تیرے قدموں کے نیچے
یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

اب شاعری کہاں گئی، کیا ساری شاعری ان فانی حسینوں ہی کے لیے وقف

کررکھی ہے، ان ہگنے موتنے والے اور مرنے والے جسموں سے تو اتنی محبت ہوجائے ، اتنی محبت ہوجائے کہ جناب فانی بدایونی شاعر کی بیوی اس سے ذراسا ناراض ہوئی تو شاعر کہتا ہے ؎

ہم نے فانی ڈوبتے دیکھی ہے نبضِ کائنات
جب مزاجِ یار کچھ برہم نظر آیا مجھے

یعنی بیوی ذراسی ناراض ہوگئی تو ساری کائنات کی نبض ڈوب رہی ہے تو بیوی سے تو اتنی محبت ہے مگر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا کوئی خوف نہیں ہے، کیا محبت محبت کرتے ہیں۔

لا الٰہ الا اللہ کا ایک عاشقانہ ترجمہ

لٰہذا جہاد میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نام پر جان فدا کرنے کا موقع دیا، اللہ کے راستے میں جان دینے کا نام ایمان ہے۔ کلمے کا ترجمہ کیا ہے؟ مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ تبلیغی جماعت کے بانی فرماتے ہیں کہ کلمہ کی تعریف کیا ہے؟ لا الٰہ الا اللہ کے کیا معنی ہیں؟ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جان دینے کے لیے راہیں تلاش کرنا۔ آہ! کیا عاشقانہ ترجمہ ہے سبحان اللہ!

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡٓ اَسۡئَلُکَ حُبَّکَ کی شرح

میں نے بیان کے شروع میں ترمذی شریف کی جو حدیث پڑھی تھی اب اس کا ترجمہ سن لیجیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک دعا سکھائی ہے، ہم اور آپ اس کو مانگ لیں، اگر یہ دعا قبول ہوجائے اور ان شاء اللہ ضرور قبول ہوگی، تو سارا کام بن جائے گا۔ حدیث کا پہلا جز ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہیں اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡٓ اَسۡئَلُکَ حُبَّکَ کہ اے اللہ! میں آپ سے

آپ کی محبت کی بھیک مانگتا ہوں اَسْئَلُكَ آپ سے سوال کرتا ہوں اور سوال کے معنیٰ بھیک کے ہیں جیسے کہتے ہیں کہ سائل آیا ہوا ہے یعنی بھیک منگا آیا ہے، اسی طرح ہم سب خدا کے بھیک منگے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَنۡتُمُ الۡفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰهِ﴾

(سورۃ الفاطر، آیت:۱۵)

تم سب کے سب میرے فقیر ہو۔ اب اگر کوئی کہے کہ ہم فقیر ہیں تو فقیر کا پیالہ کہاں ہے؟ تو دیکھو ہاتھ میں پیالہ لگا ہوا ہے، دونوں ہاتھ دعا کے لیے ملا لو اور پیالہ تیار، دنیاوی فقیروں کے پیالے طاق پر رکھے جاتے ہیں لیکن اللہ نے اپنے بندوں کو جو فقیر فرمایا ہے تو ان کو ان کا پیالہ ساتھ ہی دے دیا کہ سو رہے ہیں تب بھی پیالہ ساتھ ہے، جب چاہیں اُٹھ کر بیٹھ جائیں اور ہاتھوں کا پیالہ بنا کر اللہ سے مانگنا شروع کر دیں۔

حدیث کا دوسرا جز ہے کہ اے اللہ! جو لوگ آپ سے محبت کرتے ہیں میں ان کی محبت کا بھی آپ سے سوال کرتا ہوں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسلام میں شخصیت پرستی کہاں ثابت ہے؟ تو اس حدیث سے ثابت ہے۔ شخصیت پر ایک واقعہ یاد آیا۔ میں ابھی بنگلہ دیش گیا تھا وہاں پر ہر لفظ کے شروع میں پیش لگا دیتے ہیں جیسے گھڑی کو گھوڑی کہتے ہیں تو ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ آپ کے پاس گھوڑی ہے؟ میں نے کہا میرے پاس گھوڑی نہیں ہے، میں سمجھا کہ گھوڑی پوچھ رہا ہے، اب کراچی میں کوئی گھوڑی کہاں رکھے گا، اس کے لیے گھاس کہاں سے لائے گا؟ اسی سفر میں میرے ایک دوست نے بتایا کہ میں آرام کر رہا تھا کہ بنگلہ دیش کے ایک صاحب نے آ کر کہا کہ ایک شوخص آیا ہے، اب شُخص کو اُس نے اتنا پیش دیا کہ میں سمجھ نہیں سکا کہ بھئی کون آیا ہے، پھر میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ یہ شخص ش پر پیش دے کر بول رہا ہے۔ وہاں دَہی

کو ڈُوہی دال پر پیش کے ساتھ بولتے ہیں۔تو مجھے شخصیت پرستی پر اس وقت اچانک یہ بات یاد آ گئی۔

علمِ دین کی صحیح سمجھ اللہ والوں کی صحبت سے پیدا ہوتی ہے

تو اس حدیث سے ثابت ہے کہ اللہ والوں کی محبت اللہ تعالیٰ ہی کی محبت میں درج ہوگی۔حکیم الامت فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی کے بچہ سے محبت کرتا ہے تو اس کا ابّا اس محبت کو اپنی محبت ہی کے کھاتے میں درج کرتا ہے۔چنانچہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگتے ہیں کہ اے خدا! مجھے اپنی محبت نصیب فرما اَللّٰھُمَّ اِنِّیۤ اَسْئَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّكَ اور جو لوگ آپ سے محبت کرتے ہیں ان کی محبت بھی نصیب فرما۔آہ! رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ کے عاشقوں کی محبت مانگیں اور ہم محض کتابیں پڑھنے پر ہی ناز کریں کہ ہمارا مطالعہ بہت وسیع ہے، مولانا! ہمیں اللہ والوں کی ضرورت نہیں ہے۔ ارے میاں! آج لائبریریاں تو تین تین کروڑ کی ہیں، کتب بینی تو بہت ہو رہی ہے مگر دیکھ لو عمل کتنا ہو رہا ہے، محض کتب بینی سے کچھ کام نہیں بنتا جب تک قطب بینی نصیب نہ ہو، جب تک اللہ والوں کی صحبت نہیں ملتی کتابیں بھی سمجھ میں نہیں آتیں۔

اس کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگا کہ اے خدا! ان اعمال کی توفیق بھی عطا فرما جن سے آپ کی محبت نصیب ہوتی ہے۔سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سے تین محبتیں مانگی ہیں، اللہ کی محبت، اللہ والوں کی محبت اور ان اعمال کی محبت جن سے خدا کی محبت ملتی ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر ایک نکتہ بیان کیا ہے کہ نبی مرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی محبت پہلے مانگی، اعمال کی محبت آخر میں مانگی مگر اللہ والوں کی محبت ان دونوں محبتوں کے درمیان میں مانگی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ والوں کی محبت

کو اس دعا کے درمیان میں کیوں مانگا؟ آہ! بہت بڑے علّامہ، صاحبِ نسبت بزرگ اور حکیم الامت کے یہ خلیفہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی محبت اور اعمال کی محبت کے درمیان میں اللہ والوں کی محبت مانگ کر اُمت کو سکھا دیا کہ اگر اللہ والوں کی محبت نصیب ہوجائے تو اللہ کی محبت بھی مل جائے گی اور اعمال کی محبت بھی مل جائے گی، اس لیے اس کو درمیان میں رکھا، یہ اللہ والے اللہ کی محبت دلانے کے لیے اور اعمال کی محبت دلانے کے لیے رابطہ ہیں۔

ہمت کرنے سے گناہ چھوٹ جاتے ہیں

دیکھئے جتنے لوگ تھانہ بھون گئے کیا سے کیا ہوگئے، حکیم الامت کی خدمت میں بڑے بڑے شاعر، بڑے بڑے شرابی گئے اور ولی اللہ ہوکر آئے۔ جگر صاحب حکیم الامت کے پاس گئے اور ان سے چار باتوں کے لیے دعا کرائی کہ حضرت دعا کردیجیے کہ میں شراب چھوڑ دوں، ڈاڑھی رکھ لوں، حج کرلوں، اور خاتمہ ایمان پر ہو۔ حضرت نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیئے۔ جب جگر صاحب تھانہ بھون سے واپس آئے تو شراب چھوڑ دی، یوپی کے ڈاکٹروں کے بورڈ نے کہا کہ جگر صاحب! اگر آپ شراب نہیں پئیں گے تو مر جائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ اگر پیتا رہوں گا تو کب تک جیتا رہوں گا؟ ڈاکٹروں نے کہا کہ آٹھ دس سال اور جی جائیں گے۔ تو انہوں نے کہا کہ میں دس سال تک جی کر اللہ کو ناراض رکھوں اور پھر خدا کا غضب لے کر اللہ کے پاس جاؤں اس سے بہتر ہے کہ شراب سے توبہ پر میری موت آئے تو میں اللہ کی رحمت کو لے کر ابھی مرنا پسند کرتا ہوں، مگر بعد میں وہ الحمدللہ صحت یاب ہوگئے۔ اس کے بعد حج کرنے گئے اور وہاں پوری ڈاڑھی رکھ لی، جب حج کرکے بمبئی اُترے تو ڈاڑھی خوب بڑی ہوگئی تھی تب دل میں سوچا کہ اب مرادآباد اور سارے انڈیا کے جو شاعر ہیں وہ سب خوب مذاق اُڑائیں گے تو انہوں نے سوچا کہ بجائے

اس کے کہ میرے دوست میرا مذاق اُڑائیں میں خود ہی ایسا شعر کہہ دوں جس سے ان کے مذاق کا مزہ بھی آجائے اور میری ڈاڑھی کی آبرو بھی رہ جائے۔ تو انہوں نے دوستوں کی طرف سے ایک شعر اپنے لیے خود ہی کہہ دیا کہ میری ڈاڑھی دیکھ کر مذاق اُڑانے والے اس سے سبق لیں گے۔ وہ شعر تھا۔

چلو دیکھ آئیں تماشا جگر کا
سنا ہے وہ کافر مسلمان ہوگا

جب وہ بمبئی سے میرٹھ پہنچے اور میرٹھ میں تانگے پر بیٹھے تو تانگے والا یہی شعر پڑھ رہا تھا، اس کو خبر نہیں تھی کہ جگر صاحب میرے تانگے پر تشریف فرما ہیں، جگر صاحب یہ سن کر رونے لگے کہ یہ تانگے والا مجھے نہیں جانتا مگر میرا شعر بمبئی سے اُڑ کر آج میرٹھ کی سڑکوں پر پھر رہا ہے۔ جب اللہ کسی کو قبول کرتا ہے تو یہ حال ہوتا ہے۔

عبدالحفیظ جونپور کے بہت بڑے شاعر تھے، ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ملنے والوں میں سے تھے، ایک دن کہنے لگے کہ حضرت! میں شراب پیتا ہوں، ڈاڑھی منڈاتا ہوں، نماز بھی نہیں پڑھتا، مگر نیک بننا چاہتا ہوں، آپ بتائیے کہ آپ کیسے ولی اللہ بن گئے؟ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ میں تھانہ بھون جاتا ہوں، حکیم الامت حضرت تھانوی سے بیعت ہوں، اللہ نے اپنے نام کے صدقے میں اور بزرگوں کی دعاؤں سے مجھے نیک بنا دیا۔ عبدالحفیظ کہنے لگے کہ کیا میں بھی نیک بن سکتا ہوں؟ شراب چھوڑ سکتا ہوں؟ فرمایا کہ ہاں! تھانہ بھون جا کر دیکھو۔ اب عبدالحفیظ صاحب، دیوانِ حفیظ کا مصنف، شاعر بے بدل، آل انڈیا شاعر تھانہ بھون جاتے ہیں، راستے میں ذرا ذرا سی ڈاڑھی آگئی تھی کیونکہ ریل میں حجام کہاں سے ملتا؟ تو تھانہ بھون پہنچ کر انہوں نے ڈاڑھی منڈائی، خوب اچھی طرح صاف کی، ایک کوٹ، دوسرا کوٹ اور پھر آخر میں کھونٹی اُکھاڑ کوٹ بھی لگایا۔

ایک سبق آموز لطیفہ

اس پر ایک لطیفہ یاد آیا کہ ایک مولوی صاحب اپنے مسٹر دوست کے پاس گئے، وہ اپنا بچہ لایا کہ دم کردیجیے، بچہ انہیں دیکھ کر زور سے چلّانے لگا تو مسٹر دوست نے کہا کہ مولوی صاحب اسی لیے ہم لوگ ڈاڑھی نہیں رکھتے کہ ڈاڑھی رکھنے سے بچے بھی گھبراتے ہیں تو مولوی صاحب نے کہا کہ یہ بات نہیں ہے، بچہ ڈاڑھی سے نہیں گھبرایا، اصل میں آج اس نے پہلی دفعہ ابّا کی زیارت کی ہے، آج سے پہلے اس نے ابّا دیکھا ہی نہیں تھا کیونکہ جب تمہاری گود میں جاتا اور اماں کی گود میں جاتا تو لَا فَرْقَ بَیْنَكَ وَبَیْنَهَا یعنی اپنی ماں میں اور تم میں کوئی فرق نہیں پاتا کیونکہ دونوں کے ڈاڑھی نہیں ہے تو بیچارہ دل میں سوچتا تھا، بول تو نہیں سکتا تھا لیکن دل میں خیال کرتا تھا کہ شاید میری دو اماں ہیں لیکن آج اس بچہ نے دیکھا کہ ابّا اِس کو کہتے ہیں، تو بھائی! ابّا کا تو رعب ہوتا ہے، اماں سے ہم لوگ کہہ بھی دیتے ہیں کہ اماں چمّا ناشتہ لاؤ، بچپن میں اماں سے سب نڈر ہوتے ہیں اور ابّا سے سب ڈرتے ہیں تو ابّا کے اسی رعب سے بچہ رو رہا ہے۔

تینوں اطراف سے ایک مشت ڈاڑھی رکھنا واجب ہے

خیر عبدالحفیظ شاعر نے تھانہ بھون میں اپنی ڈاڑھی منڈائی اور جتنے کوٹ تھے سب کوٹ کیے۔ پھر جب یہ حکیم الامت کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ حضرت بیعت کرلیجیے تو حضرت نے فرمایا کہ عبدالحفیظ! تم اتنے بڑے آل انڈیا معزز شاعر ہو اور مجھ سے بیعت کی درخواست کررہے ہو تو جب بیعت ہی ہونا تھا تو ڈاڑھی کیوں منڈائی؟ یہاں جو ڈاڑھی کا ذرا ذرا سا نور نکل آیا تھا، اس کو کیوں صاف کیا کیونکہ ڈاڑھی رکھنا بھی عبادت ہے، ڈاڑھی رکھنا شرعاً واجب ہے، جیسے وتر کی نماز واجب ہے، جیسے عید اور بقرعید کی نماز واجب ہے اسی طرح

ڈاڑھی رکھنا بھی واجب ہے اور جس حالت میں انتقال ہوگا اسی حالت میں اُٹھایا جائے گا اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈاڑھی منڈانے کے فعل سے اتنی نفرت تھی کہ ایران کے ڈاڑھی منڈائے ہوئے دو سفیر جب آپ کے پاس گئے تو آپ نے نفرت سے چہرۂ مبارک پھیرلیا۔ میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے اُمیدوار ڈاڑھی رکھنے کی ہمت کریں، بیوی سے مت ڈریں، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی اُمید رکھنے والو! اگر قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پوچھ لیں کہ تم نے ڈاڑھی کیوں نہیں رکھی تھی تو کیا جواب دیں گے، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ میری شکل میں کیا قباحت تھی، میری جیسی شکل بنانے میں تمہیں کیا پریشانی تھی، میری جیسی شکل بنانے میں تمہیں کیا عیب نظر آیا تھا تو بتاؤ کیا جواب دوگے؟ اور ایک خوشخبری سناتا ہوں کہ جنت میں ڈاڑھی نہیں ہوگی، دنیا میں ڈاڑھی رکھ لیں، جنت میں ڈاڑھی نکلے گی ہی نہیں، وہاں نہ بلیڈ کی ضرورت ہوگی نہ کسی کوٹ کی ضرورت پیش آئے گی اور جنتیوں کی آنکھیں کجلائی ہوئی ہوں گی، حدیث میں آتا ہے کہ:

"یَدْخُلُ اَهْلُ الْجَنَّةِ جُرْدًا مُّرْدًا مُّكَحَّلِيْنَ اَبْنَآءُ ثَلَاثِيْنَ اَوْ ثَلَاثٌ وَّثَلَاثِيْنَ سَنَةً"

(روح المعانی پارہ ۲۷، ص ۱۴۳، مطبوعہ بیروت)

(سنن الترمذی، کتاب باب سن اھل الجنۃ، رقم الحدیث ۲۵۴۵)

یعنی نہ ان کے جسم پر بال ہوں گے نہ چہرہ پر اور آنکھیں قدرتی طور پر سرمہ لگی ہوئی ہوں گی اور تیس تینتیس برس کی عمر ہوگی، ہر وقت عالمِ شباب طاری رہے گا، سبحان اللہ جنتی زندگی کی کیا بات ہے! اور وہاں موت بھی نہیں آئے گی، اللہ تعالیٰ ہم سب پر فضل کردے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر اور آپ کے طریقے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اہل اللہ سے تعلق حسنِ خاتمہ کی ضمانت ہے

تو عبدالحفیظ صاحب نے کہا کہ حضرت! آپ حکیم الامت ہیں، میں مریض الامت ہوں، میں نے چاہا کہ سارا مرض آپ پر ظاہر کردوں، اب ان شاء اللہ تعالیٰ ڈاڑھی پر کبھی اُسترا نہیں لگے گا۔ ایک برس کے بعد حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جونپور تشریف لائے، میرے شیخ شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ بھی اعظم گڑھ سے پہنچے، عبدالحفیظ صاحب نے حضرت سے مصافحہ کیا تو حضرت نے پوچھا کہ یہ بڑے میاں کون ہیں؟ شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تعارف کرایا کہ یہ وہی عبدالحفیظ شاعر ہیں جنہوں نے خانقاہ میں ڈاڑھی منڈائی تھی اور آپ سے وعدہ کیا تھا کہ اب ڈاڑھی پر اُسترا نہیں لگائیں گے تو حضرت بہت خوش ہوئے۔ اور آخر میں ان کا انتقال کتنا مبارک ہوا، اللہ والوں کے ساتھ جڑنے والوں کا خاتمہ بھی عجیب ہوتا ہے، ان کا انتقال ایسا ہوا کہ اپنے گھر کے کمرے میں شمال سے جنوب اور جنوب سے شمال کی دیواروں تک تڑپ تڑپ کر پھرتے تھے اور استغفار کرتے اور روتے روتے جان دی، اللہ کا خوف اتنا غالب ہوا کہ شمال سے جنوب اور جنوب سے شمال تک تڑپتے رہتے تھے، تین دن تک تڑپ تڑپ کر اللہ سے جا ملے اور اپنے دیوان میں تین شعروں کا اضافہ کیا۔ وہ شعر بھی سن لیجیے ؎

مری کھل کر سیہ کاری تو دیکھو
اور اُن کی شانِ ستّاری تو دیکھو
گڑا جاتا ہوں جیتے جی زمیں میں
گناہوں کی گراں باری تو دیکھو
کرے بیعت حفیظ اشرف علی سے
بہ ایں غفلت یہ ہشیاری تو دیکھو

تو دنیا سے جاتے جاتے ان کا کام بن گیا ان شاء اللہ۔

آپ نے ترمذی شریف کے پہلے جز کا ترجمہ سنا، اللہ تعالیٰ سے ہم لوگ اس وقت بھی اور ہر فرض نماز کے بعد بھی یہی دعا مانگیں کہ اے اللہ! میں آپ سے آپ کی محبت مانگتا ہوں، جو بندے آپ سے محبت رکھتے ہیں، ان کی محبت مانگتا ہوں اور ان اعمال کی توفیق اور محبت مانگتا ہوں جو آپ کی محبت پیدا کرنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے محبت کا معیار

اب ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے تقریر کو ختم کرتا ہوں کہ اللہ سے کتنی محبت ہونی چاہیے؟ بھئی محبت کا کوئی معیار بھی تو ہونا چاہیے، اللہ کی محبت کا معیار رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بڑھ کر کون بیان کرسکتا ہے، آپ نے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَّفْسِیْ وَ اَھْلِیْ وَمِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِ

(سنن الترمذی، کتابُ الدعوات، باب ما جآء فی عقدۃ التسبیح بالید، ج:۲، ص:۱۸۷)

اے خدا! مجھ کو اپنی محبت اتنی دے دے کہ میں اپنی جان سے زیادہ آپ کو چاہوں، جس دن یہ محبت نصیب ہوگی پھر کسی ٹیڈی کو دیکھنے کی ہمت نہیں ہوگی، کیونکہ جان تو حرام مزہ لینا چاہتی ہے مگر جب جان سے زیادہ اللہ تعالیٰ پیارے ہوں گے تو دل میں ہر وقت یہی خیال رہے گا کہ کہیں وہ آسمان والا ناراض نہ ہو جائے ؎

بہت گو ولولے دل کے ہمیں مجبور کرتے ہیں
تری خاطر گلے کا گھونٹنا منظور کرتے ہیں

اور اگر کوئی کہے کہ صاحب ہم تو بہت چھپ کر دیکھتے ہیں، پہلے سیاہ رنگ کا چشمہ پہنتے ہیں پھر دائیں بائیں نظر مارتے ہیں، ٹیڈیوں کو پتا بھی نہیں چلتا۔ اس پر بھی میرا ایک شعر سن لیجیے ؎

جو کرتا ہے تُو چھپ کے اہلِ جہاں سے
کوئی دیکھتا ہے تجھے آسماں سے

تو اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی محبت ہماری جان سے زیادہ عطا فرمادیں۔
آگے ہے اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَّفْسِیْ وَ اَھْلِیْ اور اے خدا! میرے اہل وعیال سے زیادہ مجھے آپ کی محبت نصیب ہوجائے وَ مِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِ اور شدید پیاس میں ٹھنڈا پانی پی کر جو مزہ آتا ہے اے خدا! آپ کی محبت اس سے زیادہ مجھے نصیب ہوجائے۔ یہ تین معیار رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی محبت کے بیان فرمائے ہیں۔ اسی محبت کو حاصل کرنے کے لیے خدا کے عاشقوں کی صحبت میں جانا پڑتا ہے جس کا نام خانقاہ ہے۔ اب خانقاہ کی تعریف کیا ہے؟ اس کے لیے میرے اس شعر کا مطالعہ کیجیے ؎

اہلِ دل کے دل سے نکلے آہ آہ
بس وہی اخترؔ ہے اصلی خانقاہ

اگر وہ خانقاہ خالی حلوہ پوری کے لیے ہے اور وہاں دردِ دل والے نہیں رہتے تو وہ خانقاہ نہیں ہے خوامخواہ ہے، اس کا نام خوامخواہ ہے، اگر وہ بنے ہوئے مکار ہیں، دنیادار ہیں تو وہ شاہ صاحب نہیں ہیں سیاہ صاحب ہیں، ان کا ظاہر بھی سیاہ ہے اور باطن بھی سیاہ ہے۔

تو محبت کے تین معیار سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتادیئے کہ خدا ہمیں ہماری جان سے زیادہ اور اہل وعیال سے زیادہ اور شدید پیاس میں ٹھنڈے پانی سے زیادہ محبوب ہوجائے۔ اب شدید پیاس میں ٹھنڈے پانی کی کیا قدر ہوتی ہے وہ بتاتا ہوں۔ یہ میر صاحب جو میرے پاس بیٹھے ہیں ایک سال حج میں ان کے پاس پانی ختم ہوگیا اور وہ سر منڈا چکے تھے، حج کے آخر میں سر منڈانا پڑتا ہے، اب سورج کی گرم گرم شعاعیں ان کی کھوپڑی میں نفوذ کر رہی تھیں، کچھ دیر کے بعد یہ برداشت سے باہر ہوگئے اور قریب تھا کہ ان کا ہارٹ فیل ہوجاتا مگر لوگ ان کو اُٹھا کر ٹھنڈی جگہ پر لے گئے، حاجیوں سے پانی

کی بھیک مانگی، ان کو بھی ترس آ گیا، چہرہ دیکھا کہ عالمِ نزع طاری ہے جیسے بادِلِ نخواستہ دنیا سے جارہے ہوں۔ یہ لفظ یعنی بادِلِ نخواستہ اس وقت اچانک یاد آ گیا چونکہ میرا ایک شعر ہے، جب میرا مہمان مجھ سے رخصت ہوتا ہے تو میں اس کو یہ شعر پیش کرتا ہوں کیونکہ وہ بادِلِ نخواستہ رخصت ہوتا ہے۔

اپنے پہلو سے جدا عشرت کیا
بادِلِ نخواستہ رخصت کیا

مولانا شاہ محمد احمد صاحب الٰہ آباد والے بزرگ فرماتے ہیں کہ جب کوئی مہمان جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں اب جانا چاہتا ہوں تو میں یہ شعر پڑھتا ہوں۔

ظالم یہ آج منہ سے ترے کیا نکل گیا
جانے کا نام سن کے مرا دل دہل گیا

ارے اللہ والوں سے بڑھ کر کون عاشق ہوسکتا ہے؟ لیکن افسوس کہ لوگ پہچانتے نہیں کیونکہ وہ اپنی محبت کا پیٹرول اور محبت کا مادّہ خدائے تعالیٰ پر فدا کرتے ہیں، یہ نہ سمجھو کہ ان کے دل میں محبت نہیں ہے۔ دیکھو! حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب کے پاس جب کوئی اللہ والا اللہ کی محبت سیکھنے آتا تھا جیسے الٰہ آباد میں مولانا علی میاں ندوی جیسے بڑے بڑے علماء آتے تھے تو انہیں دیکھتے ہی حضرت اتنا خوش ہوتے تھے کہ یہ شعر پڑھتے تھے۔

ترا آنا مرے احساس میں جانِ مسرت ہے
مگر جانا ستم ہے غم ہے حسرت ہے قیامت ہے

بتائیے! اگر محبت نہ ہوتو کوئی ایسا شعر کہہ سکتا ہے؟ بغیر محبت کے ایسی شاعری نہیں ہوسکتی۔

تو خیر اللہ تعالیٰ سے تینوں محبت مانگنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی محبت نصیب فرمائے ہماری جان سے زیادہ، اہل و عیال سے زیادہ اور شدید

پیاس میں ٹھنڈے پانی سے زیادہ۔ شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ مہاجر مکی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مکہ شریف میں دفن ہیں۔ انہوں نے اس حدیث کے آخری جز کو اپنے شعر میں پیش کیا۔

پیاسا چاہے جیسے آبِ سرد کو
تیری پیاس اس سے بھی بڑھ کر مجھ کو ہو

کیا شعر ہے سبحان اللہ! حضرت حاجی صاحب بڑے بڑے علماء کے شیخ تھے، ایک دن حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے غلافِ کعبہ پکڑ کر خدا سے جو مانگا وہ ہم سب کو سبق دے دیا۔ فرمایا۔

کوئی تجھ سے کچھ کوئی کچھ مانگتا ہے
الٰہی میں تجھ سے طلب گار تیرا

یعنی اے اللہ! میں آپ سے آپ کو مانگ رہا ہوں، ساری دنیا آپ سے بیٹا، تجارت، مکان، روٹی، بوٹی، لنگوٹی اور پتہ نہیں کیا کیا بیر بہوٹی مانگتی ہے لیکن اللہ والوں کا ظرف دیکھیں کہ وہ اللہ سے اللہ ہی کو مانگ رہے ہیں، لیکن یہ مانگنا انہوں نے کہاں سے سیکھا؟ مثنوی سے سیکھا۔

اللہ والوں کا مقام

مولانا جلال الدین رومی مثنوی میں ایک حکایت بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ بادشاہِ محمود نے اپنے دربار میں خوبصورت لڑکیاں، زیورات، سونا چاندی، اشرفیاں اور کروڑوں کے موتی رکھ دیئے اور اعلان کیا کہ آج جو جس چیز پر ہاتھ رکھ دے گا وہ چیز اس کی ہوگی۔ سارے وزیروں، سارے دنیا داروں میں سے کسی نے لڑکیاں پسند کیں، کسی نے وزارت کی کرسیاں لے لیں، کسی نے موتی پر اور کسی نے سونے چاندی پر ہاتھ رکھا لیکن محمود کا سچا عاشق غلام ایاز

اُٹھا اور ساری نعمتوں کو چھوڑتا ہوا شاہِ محمود کے پیچھے کھڑا ہو گیا اور اپنے دونوں ہاتھ اُس کے کندھوں پر رکھ کر کہا کہ آج آپ نے اعلان کیا ہے کہ جس کا ہاتھ جس چیز پر ہو گا وہ اس کی ہو گی تو آج سے آپ میرے ہیں۔

ہم تمہارے تم ہمارے ہو چکے
دونوں جانب سے اشارے ہو چکے

اللہ والوں کا یہی مقام ہوتا ہے، وہ سارے جہان سے عبور کرتے ہوئے، ساتوں آسمان پار کرتے ہوئے براہِ راست عرشِ اعظم پر اللہ تعالیٰ سے رابطہ رکھتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت کو اپنے اوپر غالب رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ جہاں بھی جاتے ہیں بکتے نہیں ہیں، سارے جہان پر غالب رہتے ہیں۔ اب آپ کو جگر صاحب کے دو شعر سنا کر مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ جگر نے کہا تھا۔

میرا کمالِ عشق بس اتنا ہے اے جگر
وہ مجھ پہ چھا گئے میں زمانے پہ چھا گیا

اور مفتی اعظم پاکستان مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا پسندیدہ شعر ہے۔

ہم کو مٹا سکے یہ زمانے میں دم نہیں
ہم سے زمانہ خود ہے زمانے سے ہم نہیں

بس اب دعا کر لیں کہ اللہ ہم سب کو زمانہ پر غالب رکھے اور ہمیں اپنی اور اپنے پیاروں کی اور نیک اعمال کی محبت عطا فرما دے۔ اے خدا! ہم سب کو جذب فرما کر اپنا بنا لیجیے، اللہ والا بنا دیجیے، اولیاء صدیقین کاملین کی خطِ انتہا تک پہنچا دیجیے اور سلامتیٔ ایمان اور سلامتیٔ اعضاء کے ساتھ عافیت اور صحت والی حیات نصیب فرما دیجیے اور دنیا بھی دے دیجیے اور آخرت بھی دے دیجیے، آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ